"تفسیر سورۂ جمعہ"

نورِ فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ٭ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے ٭ جو ضروری تھا وہ سب اسمیں مہیا نکلا
سب جہان چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ٭ مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ٭ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

اعلان

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری دینے کے لئے مطلق ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوند کریم و بطفیل سیّدنا جناب حضرت مسیح موعود نورٌ من اللّٰہ الاحد والصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے۔ مجھے انکی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت ہے۔ دوم اسکا مفسر اپنے پایہ کا وہ بےنظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت علمی خصوصیت۔ احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد غیر میں بھی مسلم ہے۔ سوم یہ سورۃ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے۔ کلام خداوند کریم۔ الرحمٰن۔ الرحیم کا وہ عجیب و غریب حصہ ہے جسکا پڑھنا۔ سمجھنا۔ سمجھانا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں انکے شامل حال ہوں) نے اس سورۃ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے درد دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ تفسیر میں ہی ملاحظہ فرماوینگے۔ اسکے بعد خدا تعالےٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اسکی اشاعت کی ملک میں بیحد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہیے کہ جس طرح بھی ہو سکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کر کے اپنے تمام دوستوں ملاقاتیوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ۔

قیمت بلحاظ تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۴ر ...... ایک جلد کے خریدار کو معہ محصولڈاک وغیرہ۔ ۵ ٹکٹوں کے ذریعہ لفافہ میں بند کر کے بھیجنی چاہئیں۔

پانچ جلد عہ ذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل روانہ ہوگی۔

دس جلد عہ ؍ " " " "

پچیس جلد للعہ " " " "

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے دنیا کے مذاہب پر نظر

Digitized by Khilafat Library

جلد ۳ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۵

فہرست مضامین

نجات کے لئے کس قسم کی قربانی کی ضرورت ہے۔ ۱۵۱-۱۶۱

ایسن اور اکبر مسیح کے مضامین عصمت انبیاء پر۔ ۱۶۲-۱۷۴

حضرت مسیح کی قبر سری نگر میں۔ ۱۷۵-۱۸۴

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا۔ چندہ سالانہ اردو پرچہ .... ؏

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نجات کیلئے کس قسم کی قربانی کی ضرورت ہے

اس عنوان کے ماتحت ہم یہ بحث کرین گے کہ اسلام انسان کی نجات کے لئے اُس سے کس قسم کی قربانی چاہتا ہے۔ اور آیا اسکے سوائے کسی اور مذہب نے بھی کوئی ایسی قربانی پیش کی ہے جو ذریعہ نجات ہوسکے۔ ظاہری قربانیان جو اسلام مین کی جاتی ہین وہ خداتعالےٰ کے حکم کی فرمانبرداری مین اور اس کا قرب حاصل کرنیکے لئے کی جاتی ہین۔ اسلام کی قربانی حضرت ابراہیمؑ کی اس عظیم الشان قربانی کی یادگار ہے جو اس نے حکم الٰہی کی فرمانبرداری مین کرکے دکھائی اور قربانی کرنیوالے کے عمل کا اصل منشاء یہ ہے کہ وہ خداتعالےٰ کے احکام کی فرمانبرداری مین ہر ایک چیز کو ابراہیم کی طرح قربان کرنیکو تیار ہے اور بکلی اللہ تعالےٰ کی رضا کے نیچے ہو کر چلتا ہے چنانچہ قرآن شریف مین قربانیون کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ان کا گوشت پوست یا خون خدا کو نہین پہنچتا بلکہ اصل چیز جو اللہ تعالیٰ کی نظر مین منظور ہے۔ وہ تمہارا تقوےٰ ہے۔ قربانی کے لئے جو الفاظ عربی زبان مین استعمال کئے جاتے ہین وہ خود اس امر پر بطور دلیل کے ہین کہ قربانی کا مفہوم اسلام مین دوہرا ہے یعنی ایک تو وہ قربانی جو بطور خداتعالیٰ کی عبادت کے کیجاتی ہے اور دوسرا روح کی سچی فرمانبرداری جو قربانی کا اصل منشاء ہے۔ چنانچہ لفظ قربان قرب سے مشتق ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ جو انسان قربانی کو اخلاص اور خداپرستی اور ایمانداری سے کرتا ہے اسکے لئے قربانی خداتعالےٰ کے قرب اور ملاقات کا موجب ہوتی ہے اسی طرح پر قربانی کو نسیکہ بھی کہا گیا ہے جو نسک سے مشتق ہے جسکے اصل معنے عربی زبان مین طاعت اور عبادت ہین پس یہ اشتراک معنی کہ قربانی کے الفاظ کا لغوی مفہوم طاعت اور عبادت اور قرب الٰہی ہے قطعی طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سچا عابد فی الحقیقت وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے اور اس کی راہ مین اپنے نفس کو اپنے تمام محبوبات کو اور اپنی خواہشات کو قربان کردیتا ہے۔ اور جس کی

نفسانی خواہشیں ایسی مرجاتی ہیں کہ گویا بالکل نیست و نابود ہو جاتی ہیں جو شخص ان دو مشترک مفہومون پر غور اور تدبر کریگا وہ آسانی سے اس بات کو معلوم کر لیگا کہ اسلام میں قربانی کا مغز اللہ تعالےٰ کی عبادت اور اطاعت ہے اور حقیقی عبادت ایک قربانی چاہتی ہے یعنی نفس امارہ کا ذبح کرنا انسان کو خدا سے دور کرتا ہے اور خدا تعالےٰ کے تعلق کے سوا باقی تمام تعلقات کا توڑ ڈالنا- اور خدا کی راہ میں ہر طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنا- جبتک انسان قربانی نہیں کرتا وہ خدا کا حقیقی عابد نہیں کہلا سکتا اور اسوقت تک غفلت کی موت سے نجات نہیں پاتا یہی لفظ اسلام کا مفہوم بھی ہے یعنی خدا تعالےٰ کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جانا جسکے لئے ضرورت ہے خدا کے ماسوا کی قربانی کی- حقیقی مسلم وہ ہے جو کامل طور پر خدا کے تابع ہو کر چلتا ہے اور جسکے شہوات اور خواہشات پر موت وارد ہو چکتی ہے- حاصل کلام اسلام میں قربانی نفس کی قربانی کا ایک ظاہری نشان ہے اور اس مقصود کے لئے بطور یاد دہانی کے ہے اور اس مقام کے حاصل کرنیکے لئے بطور ترغیب کے ہے اور اس حقیقت کے لئے جو سلوک تام کے بعد حاصل ہوتی ہے ایک ارہاص ہے +

یہ وہ قربانی ہے جو اسلام انسان سے اُس کی نجات کے لئے چاہتا ہے- اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم سچی پاکیزگی حاصل کرنیکے لئے اپنے وجود کی پاک قربانی پیش کریں جو اخلاص کے پانیوں سے دھوئی ہوئی اور صدق اور صبر کی آگ سے صاف کی ہوئی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے- بلےٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون + یعنی جو شخص اپنے وجود کو خدا کے آگے رکھدے اور اپنی زندگی اس کی راہوں میں وقف کرے اور نیکی کرنے میں سرگرم ہو سو وہ سرچشمہ قرب الٰہی سے اپنا اجر پائے گا- اور ان لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم- یعنی جو شخص اپنے تمام قوٰے کو خدا کی راہ میں لگا دے اور خالص خدا کے لئے اسکا قول اور فعل اور حرکت اور سکون اور تمام زندگی ہو جائے- اور حقیقی نیکی کے بجالانے میں سرگرم رہے سو اسکو خدا اپنے پاس سے اجر دیگا اور خوف حزن سے نجات بخشیگا- یاد رہے کہ یہی اسلام کا لفظ اسجگہ بیان ہوا ہے دوسرے لفظوں میں قرآن شریف میں اس کا نام استقامت رکھا ہے جیسا کہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یعنی ہمیں استقامت کی راہ پر قائم کر ان لوگوں کی راہ جنہوں نے تجھ سے انعام پایا اور جن پر آسمانی دروازے کھلے- واضح رہے کہ ہر ایک چیز کی وضع استقامت اس کی علت غائی پر نظر کرکے سمجھی جاتی ہے- اور انسان کے وجود کی علت غائی یہ ہے کہ نوع انسان خدا کے لئے پیدا کی گئی ہے- پس انسانی وضع استقامت یہ ہے کہ جیسا کہ وہ اطاعت ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ایسا ہی درحقیقت خدا کے لئے ہو جائے اور جب وہ تمام اپنے قوے سے خدا کے لئے ہو جائے گا تو بلاشبہ اس پر انعام نازل ہوگا جسکو دوسرے لفظوں میں پاک زندگی کہہ

سکتے ہین - جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب آفتاب کیطرف کی کھڑکی کھولی جائے تو آفتاب کی شعاعین ضرور کھڑکی کے اندر آجاتی ہین ایسا ہی جب انسان خدا تعالی کی طرف بالکل سیدھا ہو جائے اور اس مین اور خدا تعالی مین کچھ حجاب نہ رہے تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اسپر نازل ہوتا ہے اور اسکو منوّر کر دیتا ہے اور اس کی تمام اندرونی غلاظت دھو دیتا ہے تب وہ ایک نیا انسان ہو جاتا ہے اور ایک بھاری تبدیلی اسکے اندر پیدا ہوتی ہے تب کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو پاک زندگی حاصل ہوئی - اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے اسی کی طرف اللہ جلشانہ اس آیت مین اشارہ فرماتا ہے — من کان فی ہذہ اعمی فہو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا + یعنے جو شخص اس جہان مین اندھا رہا اور خدا کے دیکھنے کا اسکو نور نہ ملا وہ اُس جہان مین بھی اندھا ہی ہوگا - غرض خدا کے دیکھنے کے لئے انسان اسی دنیا سے حواس لیجاتا ہے - جسکو اس دنیا مین یہ حواس حاصل نہین ہوئے اور اسکا ایمان محض قصوں اور کہانیوں تک محدود رہا - وہ ہمیشہ کی تاریکی مین پڑے گا - غرض خدا تعالے نے پاک زندگی اور حقیقی نجات حاصل کرنیکے لئے ہمین سکھلایا ہے کہ ہم بالکل خدا کے ہو جائین اور سچی وفاداری کے ساتھ اسکے آستانہ پر گرین اور اس بدذاتی سے اپنے تئین الگ رکھین کہ مخلوق کو خدا ٹھہرانے لگین اگرچہ مارے جائین ٹکڑے ٹکڑے کئے جائین آگ مین جلائے جائین اور خدا کی ہستی پر اپنے خون سے مہر لگائین اسی وجہ سے خدا نے ہمارے دین کا نام اسلام رکھا تا یہ اشارہ ہو کہ ہمنے خدا کے آگے سر رکھدیا ہے -

اس تمام تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم نجات کے لئے انسان سے کس قسم کی قربانی چاہتا ہے اسکے خلاف عیسائی ایک اور قسم کی قربانی پیش کرتے ہین جسے وہ انسان کی نجات کے لئے ضروری سمجھتے ہین - عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اس امر پر موقوف نہین ہے - کہ وہ اپنی روح کی قربانی کرے یا دوسرے لفظون مین پورے طور پر اللہ تعالی کی مرضی کے تابع ہو کر .. اسکی راہون مین چلے بلکہ انکے عقیدہ کی رو سے انسانون کی نجات یسوع کی قربانی سے ہوئی جسکے متعلق وہ یہ فرض کر لیتے ہین کہ وہ تمام دنیا کے گناہ اٹھا کر لے گیا گویا خدا نے اپنا اکلوتا بیٹا گنہ گارون کی قربان کر دیا اور اس قربانی کی قدر انکے نزدیک اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ خدا کے ہان یہ ایک ہی بیٹا تھا - عیسائی عقیدہ مین خدا کی محبت کی جو اسے انسان سے ہے یہ اعلے سے اعلے تجلّی ہے کہ اپنے بیٹے کو قربان کر کے گنہ گارون کو نجات دیدی اور صرف یہی ایک ذریعہ نجات کا ہے - اسلئے اب ہمین ان دونون قسم کی قربانیون کا مقابلہ کر کے یہ دیکھنا ہے کہ ان مین سے واقعی اور سچی قربانی جسکا لازمی اور قدرتی نتیجہ نجات ہو کونسی ہے - اسلئے ہم پہلے یہ دیکھین گے کہ گناہ کیا چیز ہے اور اسکا علاج کیا ہے یعنی کیونکر انسان ایک پاکیزہ زندگی حاصل کر سکتا ہے جسے انسان کی نجات سمجھنا چاہئے - گناہ درحقیقت ایک ایک ایسا زہر ہے جو اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کی اطاعت اور پرجوش محبت اور محبانہ یاد

الٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو اور جیسا کہ ایک درخت جب زمین سے اکھڑ جائے اور پانی چوسنے کے قابل نہ رہے تو وہ دن بدن خشک ہونے لگتا ہے اور اس کی تمام سرسبزی برباد ہو جاتی ہے یہی حال اُس انسان کا ہوتا ہے جسکا دل خدا کی محبت سے اکھڑا ہوا ہوتا ہے پس خشکی کی طرح گناہ اُسپر غلبہ کرتا ہے سو اس خشکی کا علاج خدا کے قانون قدرت میں تین طور سے ہے (۱) ایک محبت (۲) استغفار جسکے معنے ہیں دبانے اور ڈھانکنے کی خواہش کیونکہ جب تک مٹی میں درخت کی جڑ جمی رہے تب تک وہ سرسبزی کا امیدوار ہوتا ہے (۳) تیسرا علاج توبہ ہے یعنے زندگی کا پانی کھینچنے کے لئے تذلّل کے ساتھ خدا کیطرف پھرنا اور اس سے اپنے تئیں نزدیک کرنا۔ اور معصیت کے حجاب سے اعمال صالح کے ساتھ اپنے تئیں باہر نکال لینا۔ اور توبہ صرف زبان سے نہیں ہے بلکہ توبہ کا کمال اعمال صالح کے ساتھ ہے تمام نیکیاں توبہ کی تکمیل کے لئے ہیں کیونکہ سب سے مطلب یہ ہے کہ ہم خدا سے نزدیک ہو جائیں۔ دعا بھی توبہ ہے کیونکہ اس سے بھی ہم خدا کا قرب ڈھونڈتے ہیں اس لئے خدا نے انسان کی جان کو پیدا کر کے اسکا نام روح رکھا کیونکہ اسکی حقیقی راحت اور آرام خدا کے اقرار اور اس کی محبت اور اسکی اطاعت میں ہے اور اسکا نام نفس* رکھا کیونکہ وہ خدا سے اتحاد پیدا کرنیوالا ہے۔ خدا سے دل لگانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ باغ میں وہ درخت ہوتا ہے جو باغ کی زمین سے خوب پیوستہ ہوتا ہے یہی انسان کا جنت ہے۔ اور جس طرح درخت زمین کے پانی کو چوستا اور اپنے اندر کھینچتا اور اس سے اپنے زہریلے بخارات باہر نکالتا ہے اسی طرح انسان کے دل کی حالت ہوتی ہے کہ وہ خدا کی محبت کا پانی چوس کر زہریلے مواد کے نکالنے پر قوت پاتا ہے اور بڑی آسانی سے ان مواد کو دفع کرتا ہے اور خدا میں ہو کر پاک نشو ونما پاتا جاتا ہے اور بہت پھیلتا اور خوشنما سرسبزی دکھلاتا اور اچھے پھل لاتا ہے مگر جو خدا میں پیوستہ نہیں وہ نشو ونما دینے والے پانی کو چوس نہیں سکتا اسلئے دمبدم خشک ہوتا چلا جاتا ہے آخر پتے بھی گر جاتے ہیں اور خشک اور بدشکل ٹہنیاں رہجاتی ہیں پس چونکہ گناہ کی خشکی بے تعلقی سے پیدا ہوتی ہے اسلئے اس خشکی کے دور کرنے کے لئے سیدھا علاج مستحکم تعلق ہے جسپر قانون قدرت گواہی دیتا ہے اس کی طرف اللہ جلشانہ اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنے اے وہ نفس جو خدا سے آرام یافتہ ہے اپنے رب کیطرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت کے اندر آ +

غرض گناہ کے دور کرنیکا علاج صرف خدا کی محبت اور عشق ہے۔ لہذا وہ تمام اعمال صالحہ جو محبت اور عشق کے سرچشمہ سے نکلتے ہیں گناہ کی آگ پر پانی چھڑکتے ہیں۔ کیونکہ انسان خدا کے لئے نیک کام کر کے اپنی محبت پر مہر لگاتا ہے۔ یہ ہنسی کی بات ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے سردرد پر رحم کر کے اپنے سر پر پتھر مارے یا دوسرے کے بچانے کے خیال سے خودکشی کرے۔ دنیا میں کوئی ایسا دانا نہیں ہوگا کہ ایسی

* نفس لغت میں جڑنے کے معنے رکھتا ہے۔ منہ

خودکشی کو انسانی ہمدردی میں خیال کریگا۔ اگر بالفرض ایسا شخص ہمدردی کے خیال سے بھی ایسا فعل کرتا ہے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر دوسرے کے بچانے کی طاقت نہیں پاتا اور اسلئے مایوس ہوکر اپنی زندگی کا بھی خاتمہ کردیتا ہے۔ بیشک انسانی ہمدردی عمدہ چیز ہے اور دوسروں کے بچانیکے لئے تکلیف اٹھانا بڑے بہادروں کا کام ہے۔ مگر کیا ان تکلیفوں کے اٹھانے کی یہی راہ ہے۔ جو یسوع کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کاش اگر یسوع خودکشی سے اپنے تئیں بچاتا اور دوسروں کے آرام کے لئے معقول طور پر عقلمندوں کی طرح تکلیفیں اٹھاتا تو اس کی ذات سے دنیا کو فایدہ پہنچ سکتا تھا۔ مثلاً اگر ایک غریب آدمی گھر کا محتاج ہے اور معمار لگانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اگر ایک معمار اسپر رحم کرکے اسکا گھر بنانے میں مشغول ہوجائے اور بغیر لینے اجرت کے چند روز سخت مشقت اٹھاکر اسکا گھر بنا دیوے تو بیشک یہ معمار تعریف کے قابل ہوگا اور بیشک اس نے ایک مسکین پر احسان بھی کیا ہے جسکا گھر بنا دیا لیکن اگر وہ اس شخص پر رحم کرکے اپنے سر پر پتھر مار لے تو اس غریب کو اس سے کیا فایدہ پہنچے گا۔ افسوس دنیا میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو نیکی اور رحم کرنیکے معقول طریقوں پر چلتے ہیں اگر یہ سچ ہے کہ یسوع نے اس خیال سے کہ میرے مرنے سے لوگ نجات پاجائینگے درحقیقت خودکشی کی ہے تو یسوع کی حالت نہایت ہی لائق رحم ہے اور یہ واقعہ پیش کرنے کے لائق نہیں بلکہ چھپانے کے لائق ہے۔

اور اگر ہم عیسائیوں کے اس اصول کو لعنت کے مفہوم کے رو سے جانچیں جو مسیح کی نسبت تجویز کی گئی ہے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اصول کو قائم کرکے عیسائیوں نے یسوع مسیح کی وہ بے ادبی کی ہے جو دنیا کی کسی قوم نے اپنے رسول یا نبی کی نہیں کی ہوگی کیونکہ یسوع کا لعنتی ہوجانا گو وہ تین دن کے لئے ہی ہو عیسائیوں کے عقیدہ میں داخل ہے اور اگر یسوع کو لعنتی نہ بنایا جائے تو مسیحی عقیدہ کے رو سے کفارہ اور قربانی وغیرہ سب باطل ہوجاتے ہیں۔ گویا اس تمام عقیدہ کا شہتیر لعنت ہی ہے ٭

اور یہ باتیں کہ یسوع نوع انسان کی محبت کیلئے دنیا میں بھیجا گیا اور نوع انسان کی خاطر اس نے اپنے تئیں قربان کیا یہ تمام کارروائی عیسائیوں کے خیال میں اس شرط سے مفید ہے کہ جب یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یسوع اول دنیا کے گناہوں کے باعث ملعون ہوا۔ اور لعنت کی لکڑی پر لٹکایا گیا اس لئے یسوع مسیح کی قربانی لعنتی قربانی ہے گناہ سے لعنت آئی اور لعنت سے صلیب ہوئی اب تنقیح طلب یہ امر ہے کہ لعنت کا مفہوم کسی راستباز کیطرف منسوب کرسکتے ہیں ؟ سو واضح ہو کہ عیسائیوں نے یہ بڑی غلطی کی ہے کہ یسوع کی نسبت لعنت کا اطلاق جائز رکھا گو وہ تین دن تک ہی ہو یا اس سے بھی کم کیونکہ لعنت ایک ایسا مفہوم ہے جو شخص ملعون کے دل سے تعلق رکھتا ہے

اور کسی شخص کو اسوقت لعنتی کہا جاتا ہے جبکہ اسکا دل خدا سے بالکل برگشتہ اور اسکا دشمن ہو جائے اسلئے لعین شیطان کا نام ہے اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ لعنت قرب کے مقام سے رد کرنیکو کہتی ہیں اور یہ لفظ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جسکا دل خدا کی محبت اور اطاعت سے دور جا پڑے اور درحقیقت وہ خدا کا دشمن ہو جائے لفظ لعنت کے یہی معنے ہیں جسپر تمام اہل لغت نے اتفاق کیا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر درحقیقت یسوع مسیح پر لعنت پڑ گئی تھی تو اس سے لازم آتا ہو کہ درحقیقت وہ مورد غضب الہی ہو گیا تھا اور وہ خدا کا دشمن ہو گیا تھا اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو گیا تھا جیسا کہ لعنت کا مفہوم ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ لعنت کے دنوں میں درحقیقت کافر اور خدا سے برگشتہ اور خدا کا دشمن اور شیطان کا حصہ اپنے اندر رکھتا تھا پس یسوع کی نسبت ایسا اعتقاد کرنا گویا نعوذ باللہ اسکو شیطان کا بھائی بنانا ہے ایک راستباز نبی کی نسبت ایسی بے باکی کوئی خدا ترس نہیں کریگا بجز اس شخص کے جو خبیث طبع اور ناپاک طبع ہو +

پس جبکہ یہ بات باطل ہوئی کہ حقیقی طور پر یسوع مسیح کا دل مورد لعنت ہو گیا تھا پس ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایسی لعنتی قربانی بھی باطل اور نادان لوگوں کا اپنا منصوبہ ہے۔ اگر نجات اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ اول یسوع کو شیطان اور خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ٹھہرایا جاوے تو لعنت ہے ایسی نجات پر!! اس سے بہتر تھا کہ عیسائی اپنے لئے دوزخ قبول کر لیتے لیکن خدا کے ایک مقرب کو شیطان کا لقب نہ دیتے افسوس کہ ان لوگوں نے کیسی بیہودہ اور ناپاک باتوں پر بھروسہ کر رکھا ہے ایک طرف تو خدا کا بیٹا اور خدا سے نکلا ہوا اور خدا سے ملا ہوا فرض کرتے ہیں اور دوسری طرف شیطان کا لقب اسکو دیتے ہیں کیونکہ لعنت شیطان سے مخصوص ہے اور لعین شیطان کا نام ہے اور لعنتی وہ ہوتا ہے جو شیطان سے نکلا اور شیطان سے ملا ہوا اور خود شیطان ہے۔ پس عیسائیوں کے عقیدہ کے رو سے یسوع میں دو قسم کی تثلیث پائی گئی۔ ایک رحمانی اور ایک شیطانی اور نعوذ باللہ یسوع نے شیطان میں ہو کر شیطان کے ساتھ اپنا وجود ملایا اور لعنت کے ذریعہ سے شیطانی خواص اپنے اندر لئے۔ یعنے یہ کہ خدا کا نافرمان ہوا خدا سے بیزار ہوا خدا کا دشمن ہوا۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ کیا یہ مشن جو مسیح کیطرف منسوب کیا جاتا ہے کوئی روحانی یا معقولی پاکیزگی اپنے اندر رکھتا ہے؟ کیا دنیا میں اس سے بدتر کوئی اور عقیدہ بھی ہوگا کہ ایک راستباز کو اپنی نجات کیلئے خدا کا دشمن اور خدا کا نافرمان اور شیطان قرار دیا جائے؟ خدا کو جو قادر مطلق اور رحیم کریم تھا اس لعنتی قربانی کی کیا ضرورت پڑی؟۔

پھر جب اس اصول کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ کیا اس لعنتی قربانی کی تعلیم یہودیوں کو بھی دیگئی ہے یا نہیں تو اور بھی اسکے کذب کی حقیقت کھلتی ہو کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالے کے

ہاتھ مین انسانون کی نجات کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ اسکا ایک بیٹا ہوا اور وہ تمام گنہ گارونکی لعنت کو اپنے ذمہ لے لے اور پھر لعنتی قربانی بنکر صلیب پر کھینچا جائے تو یہ امر ضروری تھا کہ یہودیونکو لئے توریت اور دوسری کتابون مین جو یہودیونکے ہاتھ مین ہین اس لعنتی قربانی کا ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ کوئی عقلمند اس بات کو باور نہین کر سکتا کہ خدا کا وہ ازلی ابدی قانون جو انسانون کی نجات کے لئے اس نے مقرر کر رکھا ہے ہمیشہ بدلتا رہے اور توریت کے زمانہ مین کوئی اور ہوا اور انجیل کے زمانہ مین کوئی اور قرآن کے زمانہ مین کوئی اور ہو۔ اب ہم جب تحقیق اور تفتیش کی نظر سے دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ توریت اور یہودیون کی تمام کتابون مین اس لعنتی قربانی کی تعلیم نہین ہے۔ نجات کے بارہ مین توریت کی تعلیم بالکل قرآن کے مطابق ہے یعنے خدا کی طرف سچا رجوع کرنا اور گناہون کی معافی چاہنا اور جذبات نفسانیہ سے دور ہوکر خدا کی رضا کے لئے نیک اعمال بجالانا اور اسکے حدود اور قوانین اور احکام اور وصیتون کو بڑے زور اور سختی کے ساتھ بجالانا یہی ذریعہ نجات ہے جو بار بار توریت مین ذکر کیا گیا جسپر ہمیشہ خدا کے مقدس نبی پابندی کراتے چلے آئے ہین اور جسکے چھوڑنے پر عذاب بھی نازل ہوتے رہے ہین۔

اب ہم مختصر طور پر یہ دکھانا چاہتے ہین کہ یسوع کی قربانی کے متعلق عیسائیونکے درمیان یہ خیال کیونکر پیدا ہوا۔ ایک ہی امر پر غور کرنیسے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ عیسائیون نے یہ عقیدہ کس طرح بنایا۔ مسیح سے پہلے جو نبی گذرے ہین ان کے متعلق تو ہم دکھا چکے ہین کہ انہون نے عیسائیون والے طریق نجات کی کبھی تعلیم نہین دی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خود یسوع نے بھی اس عقیدہ کی تعلیم اپنی ساری عمر مین نہین دی اور وہ اپنی پیدایش سے لیکر موت تک یہودی عقیدہ کا پابند رہا۔ اسکی شہادت اناجیل سے ملتی ہے۔ یسوع کی مان کا بچہ جننے کے بعد موسوی شریعت کے مطابق قربانی کرنا۔ یسوع کا اپنا معہ والدین کے یروشلم کو عید فسح کے موقعہ پر جانا اور پھر صلیب سے پہلی رات اپنے تمام شاگردون سمیت عید فسح کا منانا یہ تمام امور ۔ ۔ ۔ جو اناجیل مین مذکور ہین ظاہر کر رہے ہین۔ بلکہ قطعی طور سے اس امر کو ثابت کر رہے ہین کہ پیدایش سے لیکر موت تک یسوع موسوی شریعت پر عمل کرتا رہا۔ اور اسکو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا رہا اور خود کوئی نیا عقیدہ اپنی قربانی کا اسنے نہین سکھلایا۔ یہی نہین کہ یسوع خود ہی موسوی شریعت کے احکام کے مطابق اسی معمولی قربانی کا پابند رہا ہے بلکہ وہ تعلیم بھی اسی قربانی کی دیتا رہا اور ایک لفظ تک اناجیل مین نہین پایا جاتا جس سے معلوم ہو کہ یسوع یہ سمجھتا تھا کہ اسکی قربانی سے پچھلی قربانیونکا قانون منسوخ ہو چکا ہے انجیلونکے قصے کے مطابق اس نے جب ایک مجذوم کو اچھا کیا تو اسے کہا کہ کاہن کے پاس جا اور موسٰے کی شریعت کے مطابق قربانی گذران (مرقس ۱/۴۴)۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی پر ایسا بڑا معجزہ یسوع نے دکھایا یا وہ ایمان

بھی رکھتا ہوگا لیکن باوجود ایمان کے یسوع نے اسے شریعت کے مطابق قربانی کرنیکا حکم دیا اور پھر اپنی پہاڑی وعظ مین جس پر عیسائیون کو بہت بڑا فخر ہے۔ یسوع کہتا ہے "پس اگر تو قربانگاہ مین اپنی نذر لیجاوے اور وہان تجھے یاد آوے کہ تیرا بھائی تجھ سے کچھ مخالفت رکھتا ہے تو وہان اپنی نذر قربانگاہ کے سامنے چھوڑ کے چلا جا۔ پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آکے اپنی نذر گذران" (متی ۵/۲۳-۲۴) یہ یسوع کی صاف صاف تعلیم ہے۔ علاوہ ازین اس کی اس تعلیم مین جو اناجیل مین موجود ہے ایک لفظ بھی ایسا نہین ملتا جس سے یہی سمجھا جاوے کہ یہودیون مین قربانی کے اصول پر اس نے کوئی نئی روشنی ڈالی ہو یا اسکا بنی اسرائیل کے پیغمبرون کی انسبت کوئی عمدہ فلسفہ بیان کیا ہو۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ یہود کے اندر قربانی کا مسئلہ ایک سطحی مسئلہ یا روحانیت سے خالی تھا۔ بلکہ انبیاء نے قربانی کی اصل حقیقت کو ان پر خدا تعالے سے الہام پاکر منکشف کر دیا تھا۔ بعنوان "روحانیت مسئلہ قربانی" جیوش انسکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ پر لکھا ہے "موسوی شریعت مین قربانی کا خون گرانیکا یہ مطلب تھا کہ خدا تعالی سے دوبارہ تعلق قائم کیا جاوے اور روح اور اسکے خالق کے درمیان بُعد کو دور کرکے پھر صلح پیدا ہو اسلیئے اس قسم کی قربانی کے ساتھ گناہونکا اقرار بھی لازمی تھا جن گناہونکے کفارہ کے طور پر قربانی دیجاتی تھی۔ ..... یا جیسا کہ فائلو کہتا ہے "یہ غرض بغیر توبہ کے خلوص کے حاصل نہین ہو سکتی یعنی صرف الفاظ سے نہین بلکہ اعمال سے اور ایسی تسلیم سے جو اسے بیماری سے شفا دے اور اسکی صحت کو قائم کرے" اور پھر لکھا ہے" درآنحالیکہ قربانی کی رسومات صرف لوگون کے دلونپر اللہ تعالے کی تقدیس اور انسان کی گنہ گاری کے خطرناک نتائج کا اثر پیدا کرنیوالی تھین گناہونکے کفارہ کا خیال انبیاء کی زندگی اور تعلیم مین ایک بڑے گہرے اور روحانی معنے حاصل کرچکا تھا۔ ہوسیع۔ عاموس۔ میکہ اور حزقی ایل نے توبہ کے سوا کوئی ذریعہ اللہ تعالے سے صلح کا اور گناہ کے بُعد کو دور کرنیکا نہین تسلیم کیا"۔ چنانچہ ہوسیع باب ۱۴ مین ہے۔ اے اسرائیل تو خداوند اپنے خدا کیطرف پھر کیونکہ تو اپنی بدکاری کے سبب گر گیا۔ تم کلمہ ساتھ لے کے خداوند کیطرف پھرو۔ اور اسے کہو کہ ساری بدکاری کو دور کر اور ہمین عنایت سے قبول کر۔ تب ہم اپنے ہونٹھون کے بچھڑے نذر گذرانینگے (ہوسیع ۱۴/۲) اور ایسا ہی میکہ نبی کہتا ہے۔ مین کیا لیکے خداوند کے حضور مین آؤن اور خدا تعالے کے آگے کیونکر سجدہ کرون کیا سوختنی قربانیون اور ایک سالہ بچھڑون کو لیکر اسکے آگے آؤنگا۔ کیا خداوند ہزارون مینڈھون سے یا تیل کی دس ہزار نہرون سے خوش ہوگا کیا مین اپنے پلوٹھے کو اپنے گناہ کے عوض اپنے پیٹ کے پھل کو اپنی جان کی خطا کے بدلے مین دیڈالونگا۔ اے انسان اس نے تجھے وہ دکھایا ہے جو کچھ کہ بھلا ہے اور خداوند تجھ سے اور کیا چاہتا ہے مگر یہ کہ تو انصاف کرے اور رحمدلی کو پیار کرے اور اپنے خدا کے ساتھ فروتنی سے چلے۔ (میکہ ۶/۶-۸) ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیونکا اصل عقیدہ کیا تھا اور یسوع نے

نہ اس سے کچھ کم کیا اور نہ اسپر کچھ بڑھایا بلکہ اسیکا پابند رہا۔ ابتدائی زمانہ کے عیسائی بھی اپنے استاد کے قدم بقدم چلتے رہے اور ہیکل مین عبادت کرتے اور قربانیاں گذرانتے رہے جیساکہ یہودی کرتے تھے بلکہ پولوس بھی جس نے آخر کار شریعت کے احکام کو چھوڑ کر نیا دین بنایا ابتدائی زمانہ مین جب اس نے عیسائی واعظ کا کام شروع کیا اسی عقیدے کا پابند تھا چنانچہ فیلکس کے سامنے اس نے یہی اظہار دیا کہ مین موسوی شریعت کے مطابق عبادت کرتا اور نذر چڑھاتا اور شریعت کے سب احکام پر یقین رکھتا ہون۔ (اعمال باب ۲۴)۔

ان تمام باتون پر غور کرکے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی صلیب سے کچھ عرصہ بعد تک عیسائیون نے ہرگز کوئی نیا عقیدہ نجات کا نہین گھڑا اور نہ ہی پچھلے عقیدہ کو منسوخ سمجھا۔ بلکہ یہ بھی نہین کہ صلیب سے ما بعد ان کا عقیدہ بدل گیا ہو۔ اور یہ سمجھ لیا گیا ہو کہ یسوع کی قربانی نجات کے لئے ایسی کافی ہے کہ نجات کا طریقہ جو انبیاء نے سکھایا تھا وہ اس سے منسوخ ہو گیا۔ اگر یسوع اپنی موت کا واقعی کوئی ایسا اثر سمجھتا تو سب سے پہلے وہ اپنے حواریون کو یہ تعلیم دیتا کہ میری موت سے موسےٰ کی شریعت منسوخ ہو جائیگی اور عیسائیونکا ابتدا ہی سے یہی عقیدہ ہوتا لیکن امر واقع یہ ہے کہ یہ عقیدہ بتدریج پیدا ہوا اور بڑھتا گیا جیساکہ نئے نئے مشکلات پیش آتے گئے پہلے یسوع کی قربانی کو محض استعارہ کے رنگ مین بیان کیا گیا اور پھر آہستہ آہستہ اسکے لفظی معنے لئے گئے۔ یسوع کی ظاہری موت اس کی رسالت سے اسقدر تھوڑا عرصہ بعد اسقدر مشکلات کا سبب نہ تھے۔ جیسے کہ اس موت کا طریق۔ موسےٰ کی شریعت نے یہ فتوے دیا تھا کہ جو صلیب پر مرے گا وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودیون نے سازش کی کہ مسیح کو صلیب مارا جائے تاکہ عوام کی یہ بات ذہن نشین ہوجائے کہ یسوع بہ سبب مصلوب ہونیکے (نعوذ باللہ) خدا کی لعنت کے نیچے ہے اور اسلیئے وہ سچا نبی بلکہ ایک راستباز انسان بھی نہین ہو سکتا۔ بظاہر اس مدعا مین یہودی کامیاب بھی ہوگئے۔ اور اسواسطے جب وہ عیسائیونکو بار بار یہ طعنے دینے لگے کہ تمہارا مرشد خدا کی لعنت کے نیچے ہے۔ تو عیسائی مجبور ہوئے کہ اس کی صلیب کے لئے کوئی توجیہ پیدا کرین یعنی یہ توجیہ انکو سوجھ گئی کہ یسوع لوگون کی خاطر قربان ہوا اور انہی کی خاطر ملعون ہوا۔ اور جب ایک دفعہ یہ توجیہ کارگر معلوم ہوئی تو پھر دن بدن اسکا اثر زیادہ پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہ خیال بھی توریت سے ہی لیا گیا جہان انبیاء کی اپنی امتون کیخاطر طرح طرح کے مصائب برداشت کرنیکا ذکر ہے۔ انبیاء بھی اپنی امتون کے گناہونکے لئے معافی چاہتے تھے مگر نہ خودکشی کرکے بلکہ روزے اور عبادت اور دعا اور شفاعت کے ذریعہ چنانچہ جب حضرت موسےٰ کی قوم نے بچھڑون کی عبادت کی تو اللہ تعالےٰ انپر سخت ناراض ہوا اور انکو ہلاک کرنیکا ارادہ کیا تب موسےٰ خدا کے آگے روئے اور تضرع کیا اور دعا کی کہ اس عذاب کو اس کی قوم کے سر سے ٹالدیا جائے اور ان کا گناہ معاف کردیا جائے۔ تب حضرت موسےٰ کی شفاعت اللہ تعالےٰ

نے قبول کرکے بنی اسرائیل کے گناہ کو معاف کیا (خروج ۳۲ باب) یہ معنے تھے راستبازوں کے گنہ گاروں کی خاطر مصائب برداشت کرنیکے اور ہر ایک عقلمند انسان آسانی سے اسکو سمجھ سکتا ہے لیکن عیسائیوں کو جب سخت مشکلات کا سامنا ہوا تو انہوں نے اسی خیال سے ایک پرلے درجہ کا بیہودہ عقیدہ بنا لیا کہ ایک انسان باقی دنیا کے لئے خودکشی کرکے انکو نجات دے سکتا ہے اور خود ان کی ساری لعنتیں اٹھا لیتا ہے اور جو نتائج سزا اور عذاب کے گنہ گاروں نے بھگتنے تھے وہ خود بھگت سکتا ہے یعنی خدا سے بیگانہ ہو جاتا ہے بیزار ہو جاتا ہے اسکا دشمن ہو جاتا ہے اور شیطان کا بھائی بن جاتا ہے +

پھر جب اس عقیدہ کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ باوجودیکہ توریت کی متواتر اور قدیم تعلیم کی مخالفت کی گئی اور ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا گیا اور ایک راستباز کے دل کو لعنتی اور خدا سے دور اور بیزار اور شیطان کا ہم خیال ٹھہرایا گیا پھر ان سب خرابیوں کے ساتھ اس لعنتی قربانی کو قبول کرنیوالوں کے لئے فائدہ کیا ہوا۔ کیا وہ گناہ سے باز آ گئے یا ان کے گناہ بخشے گئے تو اور بھی اس عقیدہ کی لغویت ثابت ہوتی ہے کیونکہ گناہ سے باز آنا اور سچی پاکیزگی حاصل کرنا تو بداہست خلاف واقعہ ہے کیونکہ یسوع کے حواریوں سے بھی ایمان لانے کے بعد قابل شرم گناہ سرزد ہوئے اور یورپ میں جو آج کل شراب خواری اور زناکاری کا طوفان برپا ہے اسکے لکھنے کی حاجت نہیں۔

اب دوسرا شق یہ ہے کہ اگر گناہ رک نہیں سکتے تو کیا اس لعنتی قربانی سے ہمیشہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ گویا یہ ایک نسخہ ہے کہ ایک طرف ایک بدمعاش ناحق کا خون کرکے یا چوری کرکے یا جھوٹی گواہی سے کسی کے مال یا جان یا آبرو کو نقصان پہنچا کر یا کسی کے مال کو غبن کیطور پر دبا کر اور پھر اس لعنتی قربانی پر ایمان لا کر خدا کے بندوں کے حقوق کو ہضم کر سکتا ہے اور ایسا ہی زناکاری کی ناپاک حالت میں ہمیشہ رہ کر صرف لعنتی قربانی کا اقرار کرکے خدا تعالے کے قہری مواخذہ سے بچ سکتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اس سے تو کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا اور مذہب کی آڑ میں ہر قسم کی بدمعاشی جائز ہو جاتی ہے علاوہ ازیں کفارے کی عقیدے کو ان ہر دو نتائج سے کوئی تعلق بھی نہیں یہ ایک لغو خیال ہے کہ جب ایک انسان یہ خیال کرے کہ یسوع اس کی خاطر مر گیا ہے تو وہ گناہ سے بچ جاتا ہے یا گناہ کرے تو اسکے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ گناہ کیا چیز ہے اور اسکا علاج کیا ہے۔

غرضیکہ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ یسوع کی قربانی نجات کا ذریعہ ہو سکتی ہے یا انسان کو پاک زندگی عطا کر سکتی ہے بلکہ سچا عقیدہ یہی ہے کہ انسان کے اپنے نفس اور خواہشات کی قربانی ہی اسے اللہ تعالے کا مقرب بنا سکتی ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ عیسائیوں میں اچھے لوگ بالکل نہیں بلکہ ہمارا منشا یہ ہے کہ جو لوگ ان میں سے نیکی پر قائم ہیں وہ ایک کم درجہ کی نیکی انکی فطرتی سعادت

کے سبب سے ہے نہ کفارہ سے۔ لیکن مذہب کے اثر کے رو سے کسی قوم کا اچھا سمجھا نا کسی مذہب کو کسی قوم کی شائستگی کا اصل موجب قرار دینا اسوقت ثابت ہوگا کہ اس مذہب کے بعض کامل پیرو ئمین اس قسم کے روحانی کمال پائے جائیں جو دوسرے مذہب مین ان کی نظیر نہ مل سکے سو ہم زور سے کہتے ہین کہ یہ خاصہ اسلام مین ہے اسلام نے ہزارون لوگون کو اس درجہ کی پاک زندگی تک پہنچایا ہے جنہین کہہ سکتے ہین کہ گویا خدا کی روح ان کے اندر سکونت رکھتی ہے قبولیت کی روشنی انکے اندر ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ گویا وہ خدا کی تجلیات کے مظہر ہین۔ یہ لوگ ہر ایک صدی مین ہوتے رہے ہین اور ان کی پاک زندگی بے ثبوت نہین اور نرا اپنے منہ کا دعوے نہین بلکہ خدا گواہی دیتا رہا ہے کہ ان کی پاک زندگی ہے۔ یاد رہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف مین اعلےٰ درجہ کی پاک زندگی کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ ایسے شخص سے خوارق ظاہر ہوتے ہین اور خدا تعالےٰ ایسے شخصون کی دعا سنتا ہے اور ان سے ہمکلام ہوتا ہے اور پیش از وقت انکو غیب کی خبرین بتلاتا ہے اور انکی تائید کرتا ہے سو ہم دیکھتے ہین کہ ہزارون اسلام مین ایسے ہوتے آئے ہین چنانچہ اس زمانہ مین یہ نمونہ دکھلانیکے لئے حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود ہین جن پر یہ تمام برکات اکمل اور اتم طور پر نازل ہو رہی ہین۔ مگر عیسائیون مین یہ لوگ کہان اور کس ملک مین رہتے ہین جو انجیل کے قرار دادہ نشانیون کے موافق اپنا حقیقی ایمان اور پاک زندگی ثابت کر سکتے ہین؟ ہر ایک چیز اپنی نشانیوں سے پہچانی جاتی ہے جیسا کہ ہر ایک درخت اپنے پھلون سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اگر پاک زندگی کا صرف دعوے ہی ہو اور کتابونکے مقرر کردہ نشان اس دعوے پر گواہی نہین دیتے تو یہ دعوے باطل ہے کیا انجیل نے سچے اور واقعی ایمان کی کوئی نشانی نہین لکھی؟ کیا اس نے ان نشانونکو فوق العادت کے رنگ مین بیان نہین کیا؟ پس اگر انجیلون مین سچے ایماندارونکے نشان لکھے ہین تو ہر ایک عیسائی پاک زندگی کے مدعی کو انجیل کے نشانونکے موافق آزمانا چاہیے۔ ایک بڑے بزرگ پادری کا ایک غریب سے غریب مسلمان کے ساتھ روحانی روشنی اور قبولیت مین مقابلہ کرکے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حقیقی ایمان اور واقعی پاک زندگی جو آسمانی روشنی سے حاصل ہو بجز اسلام کے کسی طرح مل نہین سکتی۔ یہ پاک زندگی جو اہل اسلام کو ملی ہے۔ یہ صرف منہ کی لاف وگزاف نہین اسپر آسمانی گواہیان ہین کوئی پاک زندگی بجز آسمانی گواہی کے ثابت نہین ہوسکتی۔ اور کسی کے چھپے ہوئے نفاق اور بے ایمانی پر ہم اطلاع نہین پاسکتے تا ان جب آسمانی گواہی والے پاک دل لوگ کسی قوم مین پائے جائین تو باقی تمام قوم کے لوگ بظاہر پاک زندگی نما بھی پاک زندگی والے سمجھے جائینگے کیونکہ قوم ایک وجود کے حکم مین ہے اور ایک ہی نمونہ سے ثابت ہوسکتا ہے کہ اس قوم کو آسمانی پاک زندگی مل سکتی ہے۔

ڈ الیسن اور اکبر مسیح کے مضامین عصمت انبیاء پر

گذشتہ اشاعت سے آگے

حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوع پھل کھانیکے متعلق ہم کل بحث رسالہ کے پچھلے نمبر مین کر چکے ہین۔ اور انکے باقی اعتراضون کا جواب جو حضرت آدمؑ کے متعلق یا جد مسیح حضرت داؤدؑ کے متعلق ہین اب دیتے ہین۔ ان الزامات کا مفصل جواب ہم سال گذشتہ مین جولائی اور اگست کے پرچون مین دیچکے ہین۔ اور الیسن یا الف میم دونون مین سے کسی نے ہماری ایک دلیل کا بھی جواب نہین دیا اور نہ جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ہم نے دس دلایل اس دعوے کے اثبات مین دئے تھے کہ سورہ اعراف کی آیت زیر بحث مین آدم اور حوا کا ذکر نہین ہے لیکن ہر دو معترضین نے جنکا دعوے یہ ہے کہ وہ ہمارے مضمون کی تردید کر چکے ہین ایک دلیل پر بحث نہین کی۔ شاید ہم یہ کہنے مین غلطی پر نہین کہ اس طریق بحث سے یہ لوگ پبلک کو دھوکا دے رہے ہین یعنی اس امر کو جانکر کہ انہون نے تردید کوئی نہین کی۔ کتابون مین اور اخبارون مین مضمون اس رنگ مین لکھ رہے ہین کہ گویا ہمارے دلائل کی تردید کر چکے ہین۔ مشکل یہ ہے کہ اگر مباحثہ اسی صورت مین چلا جائے تو کبھی ختم نہین ہو سکتا۔ چونکہ بے ضرورت ان مضامین کو طوالت دینا فضول ہے اسلئے جو دلایل ہم پہلے دیچکے ہین اور جنکا ابتک کوئی جواب نہین دیا گیا انکو ہم اسجگہ نہین دہرائینگے ناظرین کو چاہیئے کہ مضمون کو پورے طور پر سمجھنے کیلئے پہلے مضامین کو ساتھ پڑھین۔ الف میم روحانی امور مین قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ اسکے طریق مناظرہ سے یہی سمجھ آتا ہے کہ وہ کسی اور کام کے لئے بنایا گیا ہے اسکے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ انسان خدا تعالے کی رضا کی راہون مین چل سکے۔ اور اسکے نزدیک صالحین کبھی گناہ سے محفوظ نہین ہو سکتے بلکہ ہر ایک آدمی جو دنیا مین پیدا ہوا شیطان کے قابو مین چلا آیا ہے اور اسلئے اسے اس بات سے بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم صالحین کے متعلق بھی یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ اللہ تعالے انکو گناہ سے محفوظ کر دیتا ہے صرف اگر وہ صالح کے معنے ہی کسی لغت کی کتاب مین دیکھ لیتا تو ایسا اعتراض جس کی وجہ صرف ناواقفیت ہے نہ کرتا۔ صالح کے معنے ہین ایسا انسان جو نیک ہو۔ کسی قسم کا فساد اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ راستباز ہو۔ پاک ہو۔ اور نیک کام کرنیوالا ہو۔ قرآن شریف انبیاء کو صالحین ہی مین سے قرار دیتا ہے اور نہ ہی جیسا کہ پادری لوگوں کا خیال ہے حضرت مسیح کو مستثنی کرتا ہے کہ وہ صالحین مین سے ایک نہ تھے بلکہ انکو خصوصیت سے من الصالحین کہا ہے یعنی وہ بھی صالحین مین سے ایک تھے اور یہ کلمہ تعریف کے موقعہ پر استعمال کرتا ہے۔ تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ حضرت

مسیح کو تو صالحین مین سے ہونیکا فخر ہو اور ان کے جھوٹے پیروؤن کو آج شرم آتی ہو کہ انہیں صالحین مین سے ایک سمجھیں۔ اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ جب صالح کے معنے ہی یہ ہین کہ وہ راستبازی اور نیکی کی راہون مین چلنے والا اور فساد سے خالی ہو تو اسکو معصوم کہنے پر اعتراض کیسا ہاں پادری صاحب لغت پر یہ اعتراض کرین کہ کیون اسکے یہ معنے دیئے ہین لیکن اگر الف میم صرف عیسائیون کے متعلق یہ کہتا کہ ان مین سے کوئی بھی گناہ سے محفوظ نہین ہو سکتا اور کبھی کوئی عیسائی اس اعلے مرتبہ تک نہین پہونچ سکتا تو ہمین اس سے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ واقعی یہ سچ ہے اور دراصل یہی فخر تو اسلام کو ہے کہ اسکے اندر ایسے راستباز ہر زمانے مین پائے جاتے ہین کیونکہ وہ زندہ مذہب ہے اور اس کی برکات قیامت تک اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہین حالانکہ دوسرے کسی مذہب مین ایسے کامل افراد نہین پائے جاتے۔ یہی نہین بلکہ عیسائی تو اس مقتدر اور زندہ خدا سے بہ سبب اپنی مردہ پرستی کے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ انکے فہم اس بات کے سمجھنے سے بھی قاصر ہین کہ کیونکر ایک انسان گناہ کی نجاستون سے نکل کر نیکی کے اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جاتا ہے جہان شیطان اسپر تصرف نہین پا سکتا۔ وہ انسان کو ایک نہایت حقیر ہستی سمجھتے اور اس کی اخلاقی حالت کو اسقدر گرا ہوا سمجھتے ہین کہ وہ اس خیال کو بھی پسند نہین کرتے کہ انسان کبھی شیطان کے قابو سے نکلے۔ انسان جس کمال کو پہونچ سکتا ہے محض اس کی ناواقفیت کیوجہ سے الف میم اس بات کو نہین سمجھتا کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد بھی جن کو وہ "امتی راستباز" کہتا ہے۔ عصمت کے بلند مقام پر پہونچ سکتے ہین۔ اگر یہ سچ نہین تو پھر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ اگر مذہب کی غرض صرف یہی ہے کہ انسان کسی قدر نیک ہو جاوے اور ایک ناقص اخلاقی حالت تک پہونچ جاوے تو وہ غرض تو اسکے بغیر بھی پوری ہو رہی ہے۔ الف میم انکار کرے تو اسکا اختیار ہے مگر کوئی سمجھدار آدمی اس بات سے انکار نہین کر سکتا کہ دہریون اور بت پرستون کو نیک صفات سے خالی نہین کہا جا سکتا۔ مذہب کی غرض اس سے بہت بڑھکر ہے کیونکہ وہ انسان کو کمال کے اوج پر پہونچاتا ہے اور اگر کوئی مذہب اس غرض کو پورا نہین کرتا تو یقیناً وہ مذہب نابود ہو جائیگا خواہ جلدی ہو خواہ دیر سے ہو۔ شائد الف میم اس بات کو جانتا ہے اور اسے یقین ہے کہ عیسائی مذہب انسان کو اس کمال پر نہین پہونچا سکتا اور ہم بھی جانتے ہین کہ یہ بالکل صحیح ہے اور یقین رکھتے ہین کہ یہ سچ ہے لیکن ساتھ ہی ہم اسکو یہ خوشخبری دیتے ہین کاش وہ دل رکھتا ہو کہ اس بلند مقام پر انسان اسلام کے پاک مذہب کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے اس نے عیسائی مذہب کو آزما کر اور تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے (جیسا کہ اسکے اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد انسانی بھی عصمت کے مرتبہ پر پہونچ سکتے ہین) کہ یہ مذہب اس غرض کو پورا کرنے سے قاصر ہے

جو سچے مذہب سے ہو سکتی ہے اور اصل میں اس بات کو تو وہ پہلے بھی کہہ سکتا تھا اگر خدا تعالےٰ اسے سمجھ دیتا کیونکہ وہ دیکھ سکتا تھا کہ جو نشان انجیل راستبازوں کے لئے مقرر کرتی ہے وہ کسی عیسائی میں نہیں پائے جاتے اور اسلام کے متعلق جو ہم نے دعوے کیا ہے وہ بے دلیل نہیں۔ ابتدا سے اسلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ وہ انسان کو کمال کے بلند مقام تک پہونچا سکتا ہے بلکہ اسکا نام ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اس مقصد عالی کو پورا کرتا ہے۔ جو راستہ اسلام انسان کو بتاتا ہے اسکا ذکر اس آیت شریف میں ہے۔ بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وہو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔ یعنے جو شخص اپنے سارے قوے کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی رضا کی پورے طور پر تابع ہو جاتا ہے اور نیک کاموں پر قائم ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے نیک اجر پاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جنپر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی حزن ہوگا۔ لفظ اسلم جو یہاں استعمال کیا گیا ہے اسکے معنے یہ بھی ہیں کہ کامل طور پر اللہ تعالےٰ کی مرضی کے پیچھے چلنے والا ہو۔ اور یہ معنے بھی ہیں کہ مذہب اسلام کو اختیار کرے اس اشتراک معنے سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ سچے طور پر وہی شخص مذہب اسلام کو اختیار کرتا ہے جو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ اب الف ہمیں بتادے کہ اس مرتبہ سے کہ انسان اپنے وجود کو اپنے سارے قوے کے ساتھ خدا تعالےٰ کو سونپ دے اور ہر ایک امر میں اسی کی مرضی کو دیکھے اور اسی کی فرمانبرداری کرے جو اسلام کا مفہوم ہے اس مرتبہ سے بڑھ کر کونسا مرتبہ کمال کا ہے جسکے حاصل کرنے کی انسان کو خواہش کرنی چاہیئے عصمت کا مفہوم کیا ہے یہی تو ہے کہ انسان خدا کی رضا کے خلاف نہ چلے۔ جو شخص پورے طور پر اللہ تعالےٰ کی رضا کے مطابق چلتا ہے وہ عصمت کے مرتبہ پر پہونچا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ جب اسکے رب نے اسے حکم دیا کہ میرا فرمانبردار ہو تو اس نے کہا میں سارے جہانوں کے خداوند کا فرمانبردار ہوں۔ یہ فرمانبرداری حضرت ابراہیم کی دوسرے رنگ میں قرآن شریف میں یوں مذکور ہے واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمہن۔ جسکا منشا یہ ہے کہ جو احکام اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو دیئے تھے ان سب کو .... اس نے پورا کیا۔ اور پھر اسی مقام کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وابراہیم الذی وفی۔ یعنے حضرت ابراہیم نے احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق میں پوری وفاداری دکھلائی۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رضا کے پورے طور پر تابع ہو جانا ہی وہ اعلےٰ مقام ہے جسپر پہونچنے کی انسان کو کوشش کرنی چاہیئے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جاوے تو پھر وہ ہر طرح سے اللہ تعالےٰ کے احکام کے پیچھے ہو کر چلتا ہے اور نافرمانی اس سے صادر نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام انسان کو

اس اعلیٰ مقام پر پہونچتا ہے۔ اس مقام کے کمال کے متعلق خود قرآن شریف فرماتا ہے۔ ومن احسن دینا ممن اسلم وجہہ للہ وہو محسن واتبع ملۃ ابراہیم حنیفا واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا + یعنی فرمانبرداری میں اس سے اچھا کون ہے جو اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ کو سونپ دے اور اسی کی رضا کے تابع ہو جاوے۔ اور نیک کاموں پر قائم ہو جاوے اور ابراہیمی طریقہ کو اختیار کرے جو فرمانبردار الٰہی میں خالص اور یکرنگ تھا اور اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو دوست بنایا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان تمام امور سے الفانسم جیسے عیسائی کی تسلی ہو سکتی ہے یا نہیں لیکن کوئی سمجھدار آدمی اس نتیجہ کے سوا اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ اسلام انسان کو کامل فرمانبرداری کے مرتبہ پر پہونچا سکتا ہے۔ اس مرتبہ پر جس کی تعریف حضرت ابراہیم کی بابت میں کیگئی ہے اور جسکے سبب سے اللہ تعالےٰ نے اسے دوست کے نام سے یاد فرمایا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جسپر سچا مسلمان پہونچتا ہے لیکن یہ راستہ ان لوگوں کے لئے بند ہے جو اسلام پر نہیں چلتے۔ قرآن شریف سب مسلمانوں کو یہی ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اس راستے کو ڈھونڈیں اور اسپر چلیں۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ میں جو ہر مسلمان کو پانچ وقت نماز میں پڑھنی پڑتی ہے۔ یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم ہمیں استقامت کے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستے پر جنپر تیرے انعام نازل ہوتے رہے + یہ صاف طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ یہ راستہ انبیاء اور برگزیدوں کا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے انعام سب سے بڑھکر انہی لوگوں پر نازل ہوئے۔ جب خدا تعالےٰ ہمیں خود یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمیں وہی نعمتیں طلب کرنی چاہئیں جو پہلے برگزیدوں اور انبیاء کو عطا ہوئیں تو اسکا صاف اور سیدھا نتیجہ یہ ہے کہ جنکو وہ اس قابل پاتا ہے انکو وہ نعمتیں کامل طور پر بھی عطا فرماتا ہے اگر اللہ تعالےٰ کا یہ منشا ہوتا کہ جو انعامات انبیاء پر نازل ہوئے وہ اور کسی فرد کو نہ دئے جاویں تو کیوں یہ دعا سکھائی جاتی جسکے ذریعہ سے ہمیں وہ نعمتیں طلب کرنی چاہئیں اور کیوں اس دعا کو ہر ایک مسلمان پر فرض کیا جاتا۔ نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان انعامات سے مراد وہ انعامات ہیں جو نبیوں پر نازل ہوئے کیونکہ دنیوی نعمتیں اس جگہ کسی صورت میں مراد نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ ازیں اس دعا کے بعد جو الفاظ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین واقع ہوئے ہیں وہ اور بھی اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کیونکہ ان الفاظ سے جن میں غضب الٰہی اور غلطیوں والے راہ کی نفی کیگئی ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں وہ راہ طلب کرنی چاہئے جو ہر قسم کی غلطیوں سے پاک ہو اسلئے ہمکو محض اس بات پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہئے کہ ہم اگرچہ کسی قدر غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں لیکن کسیقدر حق پر بھی ہیں۔ جو راہ ہمیں بتائی گئی ہے وہ راہ کامل راستبازوں کی راہ ہے۔ وہ راہ جسپر چلکر ہم غضب الٰہی کے محرک نہوں۔ وہ راہ جو ہر قسم کی غلطی سے پاک ہو اگر یہ راہ ہمیں شیطان کے قابو سے نہیں نکال سکتی اور گناہ سے محفوظ نہیں کر سکتی تو پھر کیا یہ غرض

اس راہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہو جو عیسائی ہمیں بتاتے ہیں کہ گناہ کرو اور یسوع کے خون پر بھروسہ رکھو۔ الف میم کو یہ دوسرا راہ آسان تو ضرور نظر آتا ہوگا مگر یہ ہلاکت کا راہ ہے امن اور حفاظت کا راہ صرف ایک ہی ہے جو قرآن کریم نے بتادیا جسکا جی چاہے اسپر چلکر دیکھ لے۔

ایک اور امر جسکا ہم نے ذکر کیا تھا۔ الف میم کی سمجھ سے بالاتر معلوم ہوتا ہے ہم نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ چونکہ سزا گناہ کا لازمی نتیجہ ہے اور چونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے سزا سے بری قرار دیتا ہے اس لئے انبیاء کو گنہگار کہنا غلطی ہے۔ الف میم اسکا جواب یہ دیتا ہے کہ اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ وہ سزا سے محفوظ تھے اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گناہ سے بھی محفوظ تھے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف جس اصول کو سزا کے بارہ میں عام طور پر بیان کرتا ہے وہ یہ ہے من یعمل سوءً یجز بہٖ جو کوئی بدی کریگا اسکا پاداش اسکو ملکر رہیگا لیکن ایک خاص گروہ کی نسبت وہ ہمیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ انکے خالص نیک اجر اور سزا سے بریت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے پہلے سے ہوچکا ہے جیسا کہ ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی سے ظاہر ہے۔ اگر انکے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کا امکان ہوتا تو ایسا وعدہ انکے لئے نہ ہو سکتا۔ اسلئے چونکہ انکی صورت میں سزا کا امکان نہیں اور سزا گناہ کے لئے لازمی جزو ہے اسلئے گناہ کا امکان بھی نہ ہوا۔ امکان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ ایسے ہیں۔ پھر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ لا یحب الظالمین۔ اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا اور فرماتا ہے وما للظالمین من انصار۔ ظالم کو نصرت نہیں ملتی۔ اور پھر فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تا خدا تم سے محبت کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پورے طور پر فرمانبرداری کرتا ہے وہ محبوب الٰہی بن جاتا ہے۔ لیکن ظالم محبوب الٰہی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ایسا شخص ظالم نہیں ہو سکتا۔ اسلئے اگر آپ کے ایک سچے تابعدار کو یہ مرتبہ حاصل ہو کہ وہ ظالم نہیں تو اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ متبوع بھی ہر عیب سے پاک ہر خطا سے مبرا اور ہر ظلم سے خالی ہے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں۔ پھر ایسا ہی قرآن کریم یہ بھی فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا یعنی ہم رسولوں کو اور مومنوں کو دنیا کی زندگی میں نصرت بھیجتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ ظالموں کو نصرت نہیں دیجاتی اسلئے رسول اور سچے مومن ظالموں میں شامل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انکے لئے صاف صاف وعدہ نصرت الٰہی کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی نبی کی نسبت لفظ ظلم قرآن شریف میں استعمال بھی ہوا ہے تو بھی وہ نبی ان معنوں میں ظالم نہیں جن معنوں میں انبیاء کے مخالفین کو ظالم کہا گیا ہے۔ یعنی خدا کی

نافرمانی کے معنے مین ظالم نہین ہوگا۔ جو لفظ ظلم کا موٹا مفہوم ہے بلکہ جیسا اسکا خدا کے ساتھ تعلق دنیا سے نرالے رنگ کا ہوتا ہے ویسا ہی اسکا ظلم بھی دنیا سے الگ رنگ کا ہوگا اسکو ہم واضح الفاظ مین پھر بیان کرتے ہین۔

Digitized by Khilafat Library

قرآن شریف مین اللہ تعالے کافرونکے اس اعتراض کے جواب مین کہ ہم ایمان نہین لائینگے جبتک ہم پر بھی رسول کی طرح وحی نازل نہ ہو فرماتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کے منصب کے کون قابل ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالے جسکو رسول بنانا چاہتا ہے اسے خاص طور پر چنتا ہے اور وہ کوئی معمولی انسان نہین ہوتا بلکہ اللہ تعالے دیکھ لیتا ہے کہ اسکے قوے اس قابل ہین کہ وہ رسالت کے فرائض کے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس منصب کے قابل ہے۔ جسوقت وہ دنیا مین بھیجا جاتا ہے اسوقت کی دنیا ان عقائد کو جن کی وہ تعلیم دیتا ہے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور جن عقائد سے دنیا پیار کرتی ہے اُنکو وہ برا کہتا اور ان کی برائیان بیان کرتا ہے۔ اسلئے دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اسکے دوست اور پیارے اقربا اسکو چھوڑ دیتے ہین اس کی مخالفت کیجاتی ہے اور اسکو طرح طرح کے دکھ اور ایذائین پہونچائی جاتی ہین۔ دنیا کی تمام طاقتین اس کی اور اس کی تعلیم کی بیخ کنی کے لئے جمع ہو جاتی ہین لیکن وہ ساری دنیا کی کچھ پروا نہین کرتا۔ اور اس کی دھمکیون اور تدابیر کو جو اسکے استیصال کے لئے کی جاتی ہین ہیچ سمجھتا ہے ایک طرف اسکے تمام فوائد اور منافع اور نفسانی خواہشات اور خون اور محبت کے گہرے تعلقات اور آرام اور آسایش کی کششین ہوتی ہین اور اسکے بالمقابل دوسری طرف صرف خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہے لیکن وہ اللہ تعالی کی رضا کے لئے تمام منافع اور خواہشات کو قربان کر دیتا ہے خوشی سے ساری دنیا کی عداوت اور دشمنی کو قبول کرتا ہے ہر ایک قسم کے تعلق کو توڑ دیتا ہے۔ ہر ایک آرام اور آسایش کو چھوڑ دیتا ہے۔ ہر ایک تکلیف کو اٹھاتا ہے۔ تمام ایذاؤن اور تکالیف کی برداشت کرتا ہے بلکہ موت کو قبول کر لیتا ہے لیکن اسکے دل مین ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین آتا کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کو چھوڑے اسکے دل کا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ اسقدر مضبوط ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی۔ پھر یہ کیسا قابل شرم جھوٹ ہے کہ وہ شخص جو ان تمام امتحانون سے کامیابی کے ساتھ ہو گذرتا ہے تمام تکلیفون اور ایذاؤن کو برداشت کر لیتا ہے تمام منافع کو قربان کر دیتا ہے۔ ہر ایک دنیا کی آسایش کو ہیچ سمجھتا ہے اور دنیا کے تمام تعلقات کو قطع کر دیتا ہے لیکن اللہ تعالے کی فرمانبرداری سے ایک بال برابر انحراف نہین کرتا۔ وہی شخص کسی چھوٹی سی نفسانی غرض کے لئے عمداً خدا کے احکام کو توڑتا اور اسکے

خلاف چلنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ تمام خواہشات اور منافع اور آسایشوں کو قربان کرکے اور تمام تعلقات کو قطع کرکے دنیا پر یہ ثابت نہیں کرچکا کہ خدا تعالے کے احکام کے بالمقابل یہ سب چیزیں اسپر کوئی اثر نہیں کرسکتیں۔ اگر اسکے دل میں کوئی کمزوری ہوتی جو بڑی سے بڑی خواہش کے وقت اسکو خدا کی فرمانبرداری سے الگ کرسکتی تو وہ اسوقت ظاہر ہونی چاہیئے تھی جب تمام دنیا اسکی مخالفت میں کھڑی ہوگئی تھی جب دکھوں تکلیفوں کا کوئی انتہا نہ تھا اور جبکہ اپنے اغراض کے پیچھے چلنے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے علی طور پر اسے یہ فائدہ پہنچ سکتا تھا کہ تمام مخالفتیں فرو ہوجاتیں اور تمام تکلیفوں سے نجات ہوجاتی مگر نہیں وہ امتحانوں کے جلتے ہوئے تنوروں میں ڈالا جاتا ہے اور مصایب وشدائد کی کٹھالی میں ڈالکر پاک کیا جاتا ہے اور اس طرح پر یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسکے دل میں کوئی کمزوری نہیں اور خدا کی فرمانبرداری سے کوئی چیز اسے منحرف نہیں کرسکتی اگر خدا کی اطاعت کے لئے اس میں اسقدر فوق الطاقت استقامت اور وفاداری نہ ہوتی تو وہ رسالت کے منصب کے لایق نہ ہوتا اور اللہ تعالے ایسے شخص کو نبی نہ بناتا جسکو وہ ایسا کمزور سمجھتا کہ خدا تعالے کے احکام کی فرمانبرداری کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کریگا۔ ایسا آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی دنیا کی مخالفت کی برداشت نہیں کرسکتا اور نہ ان دکھوں اور تکلیفوں کو اٹھا سکتا ہے جو انبیاء کو اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی نسبت یہ خیال کرنا کسی طرح جائز نہیں کہ وہ خدا کی اطاعت سے پھر جاتے یا اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں +

اب ہم حضرت آدم کے متعلق شرک کے الزام کو لیتے ہیں پادری السن اپنے دعوی کی تائید میں کشاف اور امام رازی کی تفسیر کو پیش کرتا ہے دونوں تفسیروں میں سے ایک دو قول نقل کرکے وہ لکھتا ہے "اس طرح پر ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ہماری بات کی تائید کرکے اپنے مقدمہ کو ہار دیا ہے" ہمیں بارہا اس مباحثہ کے اثنا میں عیسائی مناظرین کی غلط بیانی کی شکایت کرنیکا موقعہ ہوا ہے مگر تعجب ہے کہ پھر بھی پادریصاحبان اس امر کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ پادری السن غلط بیانی کو اختیار کرکے کشاف کے الفاظ سے اپنے مطلب کے موافق ایک نتیجہ نکالتا ہے حالانکہ جو کچھ کشاف نے آگے چلکر لکھا ہے وہ پادریصاحب کے قول کی تردید کرتا ہے۔ کشاف نے پہلے ان معنوں کا ذکر کیا ہے جنکے رو سے نفس واحدہ سے حضرت آدم مراد لئے گئے ہیں اور جب وہ ان الفاظ کی تفسیر پر پہونچتا ہے۔ لئن اتیتنا صالحاً لنکونن من الشاکرین فلما اتیھما صالحاً جعلا لہ شرکاء فیما اتیھما۔ تو لکھتا ہے "اتینا اور لنکونن میں ضمیر کا مرجع وہ دونوں اور ان کی اولاد ہے..... جعلا لہ شرکاء یعنی ان کی اولاد نے خدا تعالے کے شریک ٹھیرائے۔ مضاف حذف کرکے اور مضاف الیہ کو اسکے قایمقام کرکے اور ایسا ہی

فیما اتیٰھما میں یعنی جو کچھ انکی اولاد کو دیا اور اسپر خدائے تعالےٰ کے یہ الفاظ فتعالی اللہ عما یشرکون دلالت کرتے ہیں کیونکہ یہاں ضمیر جمع لائی گئی ہے اور آدمؑ اور حواؑ شرک سے بری ہیں...... ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب قریش کو ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مد مقابل تھے اور وہ قصی کی اولاد ہے...... اسصورت میں معنے یہ ہونگے کہ خدا وہ ہے جس نے تمام ایک نفس یعنی قصی سے پیدا کیا اور اسی جنس کی اس کی بیوی بھی بنائی یعنی عربیہ قرشیہ۔ لیسکن الیہا۔ لیکن جب خدا تعالےٰ نے انکو جو مانگتے تھے ایک صحیح سالم بچہ دیا تو پھر وہ اسکے شریک ٹھہرانے لگے کیونکہ انہوں نے اپنے چاروں بیٹوں کے نام عبد مناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد قصی۔ اور عبد الدار رکھے اور یشرکون ضمیر ان دونوں کیطرف پھرتی ہے اور نیز ان کی اولاد کیطرف جو انکے نقش قدم پر چلے۔ اور یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے جس میں کسی قسم کی مشکل نہیں"۔ اخیری الفاظ پر پادری الیسن کو خاص طور پر غور کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ کہیں اسکے نتیجے کے عین خلاف بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ان معنوں کو پسند تو نہیں کیا جو ہم نے اختیار کئے تھے اور جو نتیجہ وہ نکالتا ہے اس کی صاف الفاظ میں یہ کہکر تردید تو نہیں کی کہ آدمؑ اور حواؑ شرک سے بری ہیں۔ امام رازی صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے الیسن کے قول کو قول فاسد کہکر اس کی تردید کرتے ہیں اور اسکے وجوہات دیتے ہیں ان غلط بیانیوں کے بعد پادری الیسن بڑی جرات کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو "شریر مشرکین" میں داخل کرتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ تعجب ہے کہ ایک شخص کو جو خود مشرک ہے اور ایک یہودی کو خدا سمجھ رہا ہے اسقدر دلیری ہو کہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی کو شریر مشرک کہے اسی نبی کو جس کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ۔ خدا نے اسے برگزیدہ بنایا اور اسپر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدھے راہ پر چلایا۔

اب ہم الف میم کے بعض اعتراضات پر غور کرتے ہیں وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ان الفاظ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا کی صورت ہی ایسی ہو کہ ان سے سوائے آدمؑ کے اور کچھ مراد نہیں ہو سکتی اور اس کی تائید میں سورہ نساء کی اس آیت کو پیش کرتا ہے۔ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا جس سے مفسرین نے عموماً حضرت آدم کو ہی مراد لیا ہے۔ اسکے علاوہ وہ ایک حدیث پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ حواؑ حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئیں اور ایک اور حدیث کو پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہو کہ آدمؑ نے اپنے لڑکے کا نام عبد الحارث رکھا تھا۔ اور جلالین کے مصنف کی رائے کو بھی پیش کرتا ہی۔ جہانتک مفسرین کی رائے ہے اول تو ہم اسکے پابند نہیں اور دوسرا کوئی مفسر حضرت آدم کو اس طرح مشرک نہیں سمجھتا جس طرح کہ الیسن اور یہ الف میم پبلک کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ باقی رہیں حدیثیں سو آج تک اہل اسلام نے قران شریف

برابر انکو نہین مانا اور اسلیئے جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی وہ ردّ کیجاویگی۔ اسلیئے صرف قرآن شریف کے الفاظ ہی زیر بحث ہین اس سے پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہین کہ قرآن کریم کے الفاظ کے معنے کرنیمین کس اصول کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اگر ایک جگہ ایک لفظ یا فقرہ استعمال کر کے ایک معنی مراد لئے گئے ہین تو یہ اس امر کی دلیل نہین کہ دوسری جگہ جہان اس لفظ یا فقرہ کا استعمال ہوا ہو وہان بھی وہی معنے مراد لئے جاوینگے جس اصول کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ایسے معنے قرآن شریف کے الفاظ کے کئے جاوین۔ جس سے مختلف حصونمین اختلاف واقع نہ ہو۔ الفاظ اور فقرات اکثر اوقات مختلف معانی کے متحمل ہوتے ہین اور اس بات کا فیصلہ کرنیمین کہ ہمین کسی خاص موقعہ پر کونسے معنے لینے چاہئین۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان معنونسے قرآن شریف کے کسی اور حصہ کی تردید نہ ہوتی ہو نہ یہ کہ انہین الفاظ کے کسی اور جگہ جو معنے لئے گئے ہون انکے علاوہ دوسرے معنے ہی نہ لئے جاوین۔ موخر الذکر قاعدہ کی پابندی کرنا نہ صرف زبان کی وسعت معنی کا انکار کرنا ہے بلکہ قرآن کریم کے بعض حصونمین بعض سے اختلاف ڈالنا ہے۔ اسلیئے سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آیا قرآن شریف ہمین یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک نبی کیطرف شرک منسوب کرین مفصلہ ذیل آیات پر غور کرو۔ ان اللہ لا یغفران یشرک بہ۔ (خدا شرک کو نہین بخشتا) ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا۔ (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ سخت گمراہی مین پڑ جاتا ہے) انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماویہ النار وما للظالمین من انصار (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالے اسپر جنت کو حرام کر دیتا ہے اور اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالمونکا کوئی مددگار نہین) ومن یشرک باللہ فقد افتری اثما عظیما (جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے وہ گناہ عظیم کا افترا کرتا ہے) ہم عیسائی صاحبان سے درخواست کرتے ہین کہ وہ اس امر پر غور کرین اور ایک سچے طالب حق کیطرح اور خدا کے خوف کو دل مین جگہ دیکر غور کرین کہ ان آیات کے وعید انبیاء علیہم السلام کے لئے ہو سکتے ہین افسوس ہے کہ ان لوگون نے انبیاء کی حقیقت کو کچھ بھی نہین سمجھا اور کیونکر سمجھ سکتے ہین جب وہ روحانیت سے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ مردہ پرستی مین گرفتار ہو گئے ہین۔ ان آیات کے مطابق مشرک مفتری ہے جسپر جنت حرام اور جسکا گناہ معاف نہین ہو سکتا۔ کیا ایک پیغمبر کو خود خدا تعالے مفتری ٹھہراتا اور دوزخ اسکی جگہ قرار دیتا ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ مفسرین نے الفاظ زیر بحث کے کوئی معنے اختیار کئے ہون۔ انہون نے حضرت آدم کو شرک سے بری سمجھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی اپنے ایمان کی کمزوری کے سبب سے جسکی بنا قصون اور کہانیون پر ہے اور سچے ایمان کے نشانون سے بالکل خالی ہے۔ یہ سمجھ ہی نہین سکتے کہ انبیاء کا ایمان اللہ تعالے پر کسقدر مضبوط اور زندہ ایمان ہوتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ کیسا گہرا اور طاقتور ہوتا ہے۔ ہمین بعض اوقات یہی خیال گذرتا ہے

کہ انبیاء علیہم السلام کو ان لوگوں کا برا بھلا کہنا اسقدر کینہ کے سبب سے نہیں جتنا جہالت کے باعث ہے کیونکہ انہوں نے اس شخص کو بھی باہر نہیں چھوڑا جسکو وہ خدا بنا رہے ہیں۔ عجیب مسئلہ نجات کا ایجاد کیا ہے کہ اس کی خاطر نہ صرف تمام انبیاء کو ہی گنہ گار ٹھہرانا پڑا بلکہ یہ بھی جزو ایمان ٹھہرانا پڑا کہ یسوع نعوذ باللہ ملعون ہوا اور تین دن تک خدا کی لعنت کے نیچے رہ کر خدا سے بیگانہ بلکہ خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن رہا۔ انکو معلوم نہیں کہ انبیاء کے دلوں کا خدا سے کیا تعلق ہوتا ہے اور اس الٰہی ناواقفیت کے سبب جو منہ پر آتا ہے کہدیتے ہیں۔ اگر انکو اس گہرے تعلق کی کچھ بھی خبر ہوتی جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے۔ اور جو تعلق ہر ایک انسان کو پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہئے تو کبھی یہ جرأت نہ کرتے کہ اس قسم کی بیباکی اور گستاخی کے الفاظ منہ سے نکالتے اصل میں جن لوگوں نے انبیاء کے بعض افعال کے متعلق ٹھوکر کھائی ہے اپنی بے علمی اور اللہ تعالےٰ سے بعد کے باعث ہی کھائی ہے جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ سے کچھ بھی تعلق ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان انبیاء کو جن کی برکت سے انہیں وہ تعلق حاصل ہوا ہے کسقدر اعلےٰ درجہ کا اور گہرا تعلق اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے جب ایک شخص خود اپنے نفس پر اس واقعہ کا مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک مقدس اور برگزیدہ نبی کی پیروی اور اسکی برکات سے وہ اس اعلےٰ درجہ کے روحانی مقام پر پہونچ جاتا ہے جہاں وہ شیطان کی طاقت سے آزاد اور محض اللہ تعالےٰ کے تصرف میں ہو جاتا ہے تو اس مشاہدہ کے بعد وہ کیونکر یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ وہ برگزیدہ انسان جس کی برکات سے ایک تھوڑا سا حصہ پاکر وہ اس اعلےٰ مقام روحانیت پر پہونچ گیا ہے شیطان کے تصرف میں رہا اور نفسانی جذبات کے ماتحت ہوکر خدا کے حکموں کی خلاف ورزی کرتا رہا۔ اور پھر وہ بھی قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے جو فرماتا ہے۔ "اِنَّ عبادی لیس لک علیہم سلطان"۔ جو گناہ حضرت آدم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اس قسم کا ایک قبیح فعل ہے کہ کوئی معمولی مسلمان بھی جسکو اللہ تعالےٰ کی ہستی پر کچھ بھی یقین حاصل ہے اسکا مرتکب نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ایک برگزیدہ نبی کیطرف اسے منسوب کیا جاوے جو توحید کے وعظ اور تعلیم کے لئے دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور جسکا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہیں سکتی۔ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض دنیا میں آنیکا توحید الٰہی کا پھیلانا اور شرک کی بیخ کنی کرنا ہی رہا ہے۔ کیونکہ شرک ایک ایسی بری چیز ہے جسپر سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور یہ عیسائیوں کا ہی خیال ہے کہ کسی نبی کو بھی شرک کا مرتکب سمجھیں کیونکہ وہ اپنے نبی کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ اس نے خدا سے برابری کا دعوےٰ کیا اور دوسروں کو نہیں تو اپنے آپکو خدا کا شریک بنایا۔ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے کہ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا پیغام

دنیا مین خدائی توحید ہی رہا ہے چنانچہ فرماتا ہی- یٰقوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من الٰہ غیرہ (اے میری قوم خدائی عبادت کرو- اسکے سوا اور کوئی معبود تمہارا نہین) لاتشرکوا باللّٰہ (اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ) - ءالٰہ مع اللّٰہ (کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہو سکتا ہی-) ایسا ہی کثرت سے اور آیات موجود ہین اور قوم کیا جواب دیتی ہی؟ اجئتنا لنعبد اللّٰہ وحدہ ونذر ما کان یعبد آباؤنا فأتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین- کیا تو اسلئے آیا ہی کہ ہم اکیلے خدا کی پرستش کرین اور ان اپنے معبودونکو چھوڑ دین جنکی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے چلے آئے ہین اگر تو سچا ہی تو وہ عذاب لا جسکا تو وعدہ کرتا ہے اب اگر خود بنی ہی خدا کے ساتھ اورونکو معبود بناتے تھے تو پادری صاحبان بتائین کہ یہ عذاب کس پر آنا چاہئے آیا بنی اور اسکے ساتھیون پر- یا انکے مخالفین پر- یا ہردو پر- اگر اب بھی یہ لوگ اپنی غلطی کو نہین سمجھ سکتے تو پھر کوئی ذریعہ نہین کہ ہم انکو سمجھا سکین+

الفاظ خلقکم من نفس واحدة وجعل منہا زوجہا- اور انکے قریب قریب الفاظ جو سورہ نساء مین واقع ہوئے ہین انکے متعلق الف میم مانتا ہے کہ دونون جگہ مین آدمؑ کا نام نہین اور ہم تسلیم کرتے ہین کہ سورہ نساء مین مفسرین کی رائے کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان الفاظ سے مراد حضرت آدم ہی ہین لیکن بعض لوگون نے یہ بھی خیال کیا ہے کہ النّاس سے جو ان الفاظ کے پہلے واقع ہوا ہی مراد صرف اہل مکہ ہی ہین اور اسپر آیت کا آخری حصہ واتقوا اللّٰہ الّذی تساءلون بہ والارحام شاہد ہے کیونکہ عرب مین ہی خصوصیت سے یہ محاورہ بولا جاتا ہے "انشدک اللّٰہ والرحم" مین تجھے خدا کی اور رحم (قرابت) کی قسم دیتا ہون- لیکن ہمین اس بحث سے کچھ سروکار نہین- ہم کہتے ہین کہ یہ الفاظ عام ہین اور ان سے مراد حضرت آدم یا کوئی اور ہو سکتا ہے جسپر ان لفظونکا اطلاق ہو سکے- خالی الفاظ سے پورے یقین سے کوئی تعیین نہین ہو سکتی اور اس امر کے فیصلہ کے لئے بہت سارے دوسرے وجوہات پر غور کرنا ضروری ہے- چنانچہ بڑی وجہ جسکے سبب سے سورہ نساء مین مراد حضرت آدم لئے گئے ہین یہ ہی کہ اسجگہ خطاب یہ ہی یاایہا الناس اتقوا ربکم- اے لوگو اپنے خدا کی ڈرو- اور یہ خطاب عام سب دنیا کے لئے ہی- اسلئے الناس سے مراد صرف اہل مکہ نہین ہو سکتے بلکہ کل دنیا مراد ہے- برخلاف اسکے سورہ اعراف کے ان الفاظ مین جو زیر بحث ہین یہ وجہ موجود نہین اور نہ صرف یہی بلکہ عبارت الفاظ مین الفاظ زیر بحث کے پہلے اور پیچھے مشرکین عرب کو خطاب کیا گیا ہی چنانچہ اس سے پہلا رکوع اس طرح شروع ہوتا ہے- والّذین کذبوا بآیاتنا سنستدرجہم من حیث لا یعلمون- جن لوگون نے ہماری آیتون کی تکذیب کی ہی انپر بتدریج ہم اپنا عذاب ایسی راہ سے لائین گے جسکو وہ نہین جانتے واملی لہم ان کیدی متین- اور مین ان کو ڈھیل دے رہا ہون میری تدبیر بڑی مضبوط ہے یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰہا یعنی اس عذاب کی گھڑی کا وقت پوچھتے ہین کہ وہ کب آئے گی جواب

ملتا ہے کہ کبھی آئیگی ضرور۔ مگر اسکا علم اللہ تعالے کو ہی ہے کہ کب آئے گی۔ جب آئے گی تو ناگہان ہی آئے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب خطاب مخالفین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ پھر اسی خطاب کے اثنا میں فرماتا ہے۔ ہو الذی خلقکم الخ۔ جو آیات متنازعہ فیہا ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ وہی خدا ہے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ اور اسکی جنس سے اسکی بیوی بنائی۔..........

... لیکن جب خدا نے انکو صالح بچہ دیا تو وہ اسکے ساتھ شریک ٹھہرانے لگے۔ اس چیز میں جو انکو دی۔ مگر بلند تر ہے خدا اس سے جو یہ لوگ اسکے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ انکو جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے گئے ہیں۔ اور نہ اپنے پرستاروں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان لوگوں کو ہدایت کیطرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہیں چلتے برابر ہے تمہارے لئے کہ تم انکو بلاؤ یا خاموش رہو۔ یقیناً وہ جنکو تم خدا کے سوا بلاتے ہو تمہاری طرح مخلوق ہیں پس ان کو بلاؤ اگر تم سچے ہو تو چاہئے کہ وہ تمکو جواب دیں۔..... کہو بلاؤ ان اپنے شرکا کو پھر جب تدابیر کرلو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو یقیناً میرا کارساز خدا ہے جس نے مجھ پر وحی نازل کی ہے اور وہی اپنے صالح بندوں کا متولی ہوتا ہے اور وہ جنہیں تم اسکے سوا بلاتے ہو نہ وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔

جو شخص ان آیات کو غور سے پڑھیگا اسپر واضح ہو جائیگا کہ انمیں ایک ہی مضمون پر بحث کی گئی ہے اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا شرک اور اسکی سزا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ بت جنکو وہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں وہ نہ خود تباہی سے بچینگے اور نہ اپنے پرستاروں کو بچا سکینگے۔ بفرض محال اگر حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے بھی ہوں تو کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین میں داخل تھے جو ان کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا۔ قرآن کریم دو جماعتوں کا ذکر کرتا ہے ایک انبیاء علیہم السلام اور ایک انکے مخالفین۔ انبیاء علیہم السلام خدا کی توحید اور راستبازی کا پیغام لاتے ہیں اور انکے مخالفین انکا مقابلہ کرتے ہیں اور انکے انذار کی کچھ پروا نہیں کرتے اسلئے جب انبیاء علیہم السلام کو بہت تکلیفیں اور دکھ دئے جاتے ہیں اور انکے کام میں طرح طرح کی روکیں ڈالکر اسکو بند کرنے کی کوشش کیجاتی ہے تو وہ عذاب الہی جسکا پہلے سے وعدہ ہو چکا ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے مخالفین پر نازل کیا جاتا ہے اور نصرت الہی انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہے۔ ہر ایک پیغمبر کا ذکر جو قرآن کریم میں ہوا ہے وہ اس عام اصول کی ایک تشریح ہے۔ اور ان آیات میں جو آیات زیر بحث کے پہلے اور پیچھے ہیں ایسا ہی عذاب کا ایک وعدہ دیا گیا ہے۔ یہ در اصل پیش گوئی ہے کہ تمام بت ہلاک کئے جائینگے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخرکار اپنے مخالفین پر فتحیاب ہونگے اور آپ کے مخالفین ذلیل و خوار ہونگے اور اسکے اندر حضرت آدم کے ذکر کو داخل سمجھنا محض حماقت ہے۔ الف میم نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام رازی نے دوسری جگہ

جہان مخالفین کے اعتراضونکا ڈر نہین تھا سچی بات کا بھی اعتراف کر لیا ہے ہم پوچھتے ہین کہ کیا رازی نے کہین اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے ہرگز نہین بلکہ ایک اور بحث کرتے ہوئے اتفاقاً انہون نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آیت ہو الّذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا سے آدمؑ اور حوا مراد ہین لیکن وہان انہون نے نہ ان معنون پر کوئی بحث کی ہے اور نہ اسکی تائید نہ اسکے خلاف دلائل پر غور کیا ہے لیکن جب اس آیت کی تفسیر پر پہنچے ہین اور ان دلائل پر غور کیا ہے جو مختلف معنون کی تائید مین یا انکے خلاف پیش ہو سکتی ہین تو انہون نے اسی معنے کو اختیار کیا ہے جو ہم نے بیان کئے ہین۔ علاوہ ازین بعض مفسرین نے نفس واحدہ سے حضرت آدم کو بھی مراد لیا ہے لیکن وہ آیت کے اخیری حصے کی جہان شرک کا ذکر ہے اور تفسیر کرتے ہین جیسا کہ ہم نے کشاف کے حوالے سے اوپر لکھا ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ ان الفاظ کے معنون کے متعلق مختلف رائین ہون بلکہ ہم اوپر یہ بھی دکھلا چکے ہین کہ سورہ نسا مین ایسے ہی الفاظ جہان آتے ہین انکے متعلق بھی مفسرین مین اختلاف رائے ہے +

اسکے بعد الف بیم ایک حدیث پیش کرتا ہے لیکن ہم لکھ چکے ہین کہ کوئی حدیث جو قرآن کی مخالف ہوگی ہم اسکو نہین مانتے۔ قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔ قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون۔ یعنے اے کافرو مین ہرگز اس چیز کی عبادت نہین کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو ان الفاظ مین قرآن شریف نے گویا ہر نبی کی فطرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور یہ الفاظ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر چسپان ہین ویسے حضرت آدم پر بھی چسپان ہین ایسا ہی حضرت یوسفؑ قیدیونکو مخاطب کر کے فرماتے ہین ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیٔ۔ یعنے یہ کب ہو سکتا ہے کہ ہم (یعنی گروہ انبیا) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرین۔ تمام نبی ایک جماعت کے حکم مین ہین اور جو نقشہ قرآن شریف کسی ایک نبی کا کھینچتا ہے وہ ساری جماعت کا نقشہ ہے۔ ایسا ہی جہان قرآن شریف عباد الرحمٰن کے صفات بیان کرتا ہے۔ تو ایک صفت ان کی یہ بیان فرماتا ہے۔ والذین لا یدعون مع اللہ الٰہ آخر۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہین پکارتے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ انبیا سب سے پہلے عباد الرحمٰن مین شامل ہین اور اسلئے جب حضرت آدم نبی ہین ثابت ہوا کہ انہون نے شرک نہین کیا ہم خیال نہین کرتے کہ کون سمجھدار آدمی قرآن شریف کے ان صاف اور صریح الفاظ کے بالمقابل اب بھی حضرت آدم کو شرک کا مرتکب سمجھیگا +

"حضرت مسیح کی قبر سرینگر مین"

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کے نومبر اور دسمبر کے پرچہ مین بندہ نے لاہور کے ایک پادری وائیٹ برکٹ کی قبر مسیح کی نسبت چند غلط بیانیونکو ظاہر کیا تھا۔ اس نے حضرت مسیح کی قبر کے لئے ایک نیا نام تجویز کرکے لوگونکو دھوکہ دینا چاہا تھا پہلے تو اس نے لکھا کہ اس مقبرہ مین دو قبرین ہین۔ بڑی جو شمالی طرف ہی نبی یوز آسف کی قبر بیان کیجاتی ہی اور چھوٹی قبر سید نصیر الدین کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ مگر دوسری چھٹی مین اس نے اپنا پہلو بدل لیا اور کہا کہ یوز آسف کا نام مرزا صاحب کے مریدون نے لوگونکو سکھایا ہے۔ لوگون کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سید نصیر الدین کی قبر ہے یہ پادری صاحب کیطرف سے ایک غلط بیانی تھی اور عمداً انہون نے اسکا ارتکاب کیا۔ انہون نے دیکھا کہ یہ مصلحت نہین کہ اس قبر کو نبی یوز آسف کی قبر تسلیم کیا جاوے۔ کیونکہ اول تو یہ نام ہی عبرانی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا اس نبی یوز آسف کی نسبت ایسے امور بیان کئے جاتے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح ہی تھے جو کشمیر مین یوز آسف کے نام سے مشہور ہین اس لئے انہون نے یہ مناسب دیکھا کہ اس قبر کو ایک اسلامی قبر ثابت کیا جاوے اور ایک اسلامی نام اس قبر والے کیلئے تجویز کیا جاوے۔ مگر ایسا ثابت کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ لیکن یکایک انکے دلمین یہ خیال آیا کہ نبی یوز آسف کی قبر کے پاس ہی سید نصیر الدین کی قبر ہی آؤ یہی نام چھوٹی قبر والے سے منتقل کرکے بڑی قبر والے کو دیدیا جاوے اسمین کوئی ٹرا حرج نہین صرف ذراسی بددیانتی کا ارتکاب کرنا پڑے گا مگر کیا ہے مین یہ کام اپنے نفس کیلئے نہین کرتا۔ خداوند یسوع کا جلال ظاہر کرنے کے لئے کرتا ہون اور ہمارے بزرگ بھی ایسا کرتے رہے ہین خداوند یسوع کا خون یقیناً اس گناہ کو دھو دیگا۔ اگر یہ بات بن گئی تو بڑی کامیابی ہی۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ قبر جسکی نسبت اتنا جھگڑا ہے یہ یوز آسف کی قبر نہین بلکہ سید نصیر الدین کی قبر ہے تو یہ خیال کرنیکی گنجایش نہ رہے گی کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہان مدفون ہین۔ آخر پادری صاحب نے جرأت کرکے یہ ظاہر کیا کہ یہ تو سید نصیر الدین کی قبر ہے۔ وہان کے لوگون نے یہی شہادت دی پس میرے نزدیک اس بزرگ کا نام غالباً سید نصیر الدین تھا۔ بڑے افسوس کی بات ہی کہ انجیل کی منادی کرنیوالے اس قسم کی غلط بیانیونکو مرتکب ہوتے ہین پادری صاحب سرینگر کے لوگون نے تو آپکو یہ نہین کہا تھا کہ اس بزرگ کا نام جسکی نسبت جھگڑا ہی۔ سید نصیر الدین ہی انہون نے تو آپکو صاف بتلایا تھا کہ اس بزرگ کا نام نبی یوز آسف ہی اور سید نصیر الدین اس شخص کا نام ہی جو پاس کی چھوٹی قبر مین مدفون ہی آپ انکی شہادت کو کیون عمداً بگاڑتے ہین آپ جانتے ہین کہ ہماری بحث تو بڑی قبر کی نسبت ہے جسکو لوگون نے نبی یوز آسف کی قبر بیان کیا۔ نومبر اور دسمبر کے پرچہ مین مین نے پادری صاحب

سے دریافت کیا کہ انہوں نے کیوں لوگوں کی شہادت کو بگاڑا اور کیوں جان بوجھکر قبر یوز آسف کے لئے ایک غلط نام تجویز کیا۔ میری چٹھی کا انہوں نے اپنی چٹھی مین جواب الجواب تو چھپوایا ہے مگر اس معاملہ مین بالکل خاموشی اختیار کی ہے۔ میرے اس سوال کا کہ کیوں انہوں نے لوگوں کی شہادت کو بگاڑا۔ اور عمداً ایک غلط نام بڑی قبر والے کو دیا کوئی جواب نہین دیا اور نہ کوئی اس امر کا جواب ہو سکتا تھا کیونکہ یہ الزام بڑی صفائی کے ساتھ ان پر عائد ہوتا تھا۔ مگر پادریصاحب کو اس جواب الجواب مین ایک اور مشکل امر پیش آگیا۔ آپکو اپنی چٹھی کے عنوان مین قبر کا نام لکھنا پڑا۔ چٹھی کے اندر تو وہ بغیر صراحتہً نام لینے کے بھی کام چلا سکتے تھے۔ مگر عنوان مین قبر کا نام لکھنے سے اُن کو چارہ نہ تھا۔ اس سے پہلی چٹھی کا عنوان یہ تھا۔ "سید نصیر الدین کی قبر واقع سرینگر"۔ اگر وہ اس دفعہ کوئی اور نام عنوان خط مین لکھتے تو یہ سمجھا جاتا کہ آپنے اپنی غلط بیانی کا اقرار کر لیا ہے اسی لئے ایسا نام بھی بدلالیا ہے اس طرح آپ کو دوہری ذلت پیش آتی۔ ایک تو صریح غلط بیانی کا ارتکاب۔ دوسرا اپنے قصور کا اقرار۔ اسلئے اگرچہ پادریصاحب سے کچھ جواب بن نہین پڑا کہ کیوں انہوں نے غلط نام عمداً اختیار کیا اور اگرچہ چٹھی کے اندر انہوں نے ایکدفعہ بھی اس قبر کو سید نصیر الدین کی قبر نہین کہا مگر پھر بھی دوہری ذلت سے بچنے کے لئے اپنی آخری چٹھی کے عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھ ہی دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غلط بیانی کی عادت پادری صاحبان کی طبیعت مین ایسی رچی ہوئی ہے کہ انکو کتنی ہی ملامت کرو وہ اس عادت کو چھوڑ نہین سکتے۔ اس پادری نے اول تو عمداً ایک غلط نام اختیار کیا اور جب اسکی اس چالاکی کو دکھلایا گیا اور اس سے جواب طلب کیا گیا کہ کیوں تمنے عمداً اس غلط بیانی کا ارتکاب کیا تو اس نے سکوت اختیار کیا اور لاجواب رہکر اپنی قصوروار ہونیکا ثبوت بھی دیدیا۔ مگر باایں ہمہ چٹھی کے عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھنے سے باز نہ آیا۔ آیندہ مین امید کرتا ہون کہ پادری صاحب اس نام سے بالکل اجتناب کرینگے اور چٹھیونکے عنوان مین بھی اس نام کے لکھنے سے باز آجائینگے۔ یا اگر لکھینگے تو ساتھ وجہ بھی بیان کرینگے کہ کیوں انہوں نے یہ نام اختیار کیا اور کیون دھینگا دھانگی سے چھوٹی قبر والیکا نام بڑی قبر والے کو دیدیا۔ اور یہ بھی بتائینگے کہ کیون انہوں نے اہل سرینگر کی شہادت کو بگاڑا۔ انہوں نے تب کہا تھا کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہے +

اب مین پادری صاحب کی چٹھی کے عنوان کو چھوڑکر ان کی چٹھی کے اصل مضمون کیطرف آتا ہون وہ اپنی چٹھی مین دو باتوں پر بحث کرتے ہین۔ اول یہ کہ اگر یوز آسف بُشری یعنی انجیل کا وعظ کرتے تھے اور انجیلی تعلیم لوگونکو دیتے تھے۔ اور انجیلی مثالیں لوگونکو سناتے تھے تو صرف اتنی بات سے کسطرح ثابت ہوگیا کہ وہ حضرت مسیح خود تھے۔ ممکن ہے کہ انکا کوئی شاگرد ہو۔ دوئم وہ یوز آسف اور بدھ ایک ہی شخص ثابت کرنیکی کوشش کرتی ہین وہ بیان کرتے ہین کہ سینٹ جوزافٹ (یوز آسف) کا جو قصہ یورپ مین مروّج ہے اسمین بہت سے واقعات بدھ کے حالات سے ملتے جلتے ہین اسلئے یوز آسف اصل مین بدھ ہی تھا اور یوز آسف لفظ بودی ستوا کا بگڑا ہوا ہے جو بدھ کا

ایک خطا ہے۔ مین پادریصاحب کی دوسری بات کو اوّل لیتا ہون + جن لوگون نے یہ خیال کیا ہی کہ یوز آسف اصل مین بدھ ہی کا نام ہی اور یہ لفظ بودی ستوا سے بگڑ کر بنا ہے انکو یوز آسف کی نسبت اتنا ہی علم تھا۔ جتنا کہ انکو سینٹ جوزافٹ کے قصہ سے معلوم ہوا اس سے بڑھکر کوئی علم نہ تھا اور جب انہون نے دیکھا کہ اسکے قصّہ کے بعض واقعات بدھ کے قصہ سے کچھ مشابہت رکھتے ہین تو انکو یہ خیال پیدا ہوا کہ یوز آسف اور بدھ ایک ہی آدمی کے دو نام ہین انہون نے اس امر کی کچھ پروا نہ کی کہ یوز آسف اور گوتم بدھ ان دونو نکے نامون مین کچھ بھی مشابہت نہین اور خیال کر لیا کہ یوز آسف بودی ستوا کا بگڑا ہوا ہوگا اگر انکو معلوم ہوتا کہ یوز آسف ایک الگ شخص کا نام ہی جو اپنا مستقل وجود رکھتا ہے تو وہ یہ کبھی خیال نہ کرتے کہ یوز آسف بدھ کا ہی دوسرا نام ہے + اب ایسے نئے امور پیدا ہو گئے ہین جنسے ثابت ہو گیا ہے کہ یوز آسف خود ایک الگ آدمی ہوا ہین گذرا ہے۔ اب ہمارا انحصار صرف سینٹ جوز آفنٹ کے قصون پر نہین ہی بلکہ الگ اور نئی راہون سے ثابت ہو گیا کہ درحقیقت کشمیر مین ایک شخص مغرب کیطرف سے آیا تھا جس نے اپنا نام یوز آسف ظاہر کیا اور جو بنیار بنی اسرائیل مین سے ایک نبی تھا۔ حضرت مرزا صاحب کو سینٹ جوز آفنٹ کے قصہ کی کچھ بھی خبر نہین تھی کہ انکو خبر ملی کہ سرینگر کے محلہ خان یار مین ایک نبی یوز آسف کی قبر ہے۔ نبی کے لفظ نے انکی توجہ کو اس قبر کیطرف کھینچا۔ کیونکہ یہ لفظ صاف بتلا رہا تھا کہ یہ کوئی اسرائیلی نبی ہے۔ مزید تحقیقات پر معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ نبی ملک شام کیطرف سے اس ملک مین آیا۔ اور اسکو آئے قریبًا انیس سو برس ہو گئے ہین۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہین۔ دوسری طرف جب نظر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ انیس سو برس ہوئے کہ ملک شام مین حضرت مسیح کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسکی وجہ سے انکو ملک شام سے ہجرت کرنی پڑی۔ ان سب امور کو جب یکجائی نظر سے دیکھا تو فورًا ہماری طبیعتین اسطرف جھک گئی ہین کہ یہ شہزادہ نبی جنکا محلہ خانیار مین مزار ہے وہی حضرت مسیح ہین جو ملک شام سے ہجرت کر آئے تھے۔ اور حضرت داؤد کی نسل سے ہونیکی وجہ سے اپنے تئین شہزادہ کہا کرتے تھے۔ غرض میری اس بیان سے یہ ہے کہ ہمین یوز آسف کا پتہ سینٹ جوز آفنٹ کے قصہ سے نہین ملا بلکہ ایک الگ راہ سے ہم نے انکا کھوج نکالا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہی کہ یوز آسف اور بدھ دو الگ الگ آدمیون کے نام ہین ایک ہی آدمی کے دو نام نہین ہین۔ اب پادریصاحب اور میرے درمیان امر تنقیح طلب یہ ہی کہ آیا سرینگر کی قبر درحقیقت یوز آسف کی قبر ہی یا نہین اگر یہ یوز آسف کی قبر ہے تو یوز آسف اور گوتم بدھ دو الگ الگ آدمی ہین اور اگر یہ قبر یوز آسف کی قبر نہین ہی تو پادریصاحب کا اختیار ہی کہ یوز آسف اور بدھ کو ایک ہی شخص کے دو نام مان لین ہمارے اس امر کا صریح ثبوت ہمارے پاس موجود ہی کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہی + پادریصاحب قبول کرتے ہین کہ اس قبر کے مجاورنے اور دوسرے لوگون نے بیان کیا کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہی ہمارے پاس پانچسو پچیس خواندہ اور قابل اعتبار آدمیونکی تحریری گواہیان موجود ہین اور ناخواندہ آدمیونکا تو کوئی شمار ہی نہین جو شہادت دیتے ہین کہ یہ شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر ہی

کشمیر کی تاریخون مین بھی اس قبر کا ذکر ہے - اور ان مین لکھا ہی کہ اس شہزادہ نبی کا نام یوز آسف تھا مین نے اپنی پچھلی چیٹھی مین تاریخ اعظمی کشمیر کا حوالہ دیا تھا - پادری صاحب اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہین کہ اگر تاریخ اعظمی کشمیر کا مصنف یوز آسف کا نام لکھتا ہے تو یہ مرزا صاحب کے کچھ مفید مطلب نہین کیونکہ وہ یہ نہین لکھتا کہ اس قبر والے کا نام یوز آسف ہی + مین کہتا ہون کہ پادری صاحب نے محض دھوکہ دہی کے راہ سے یہ لکھا ہی کیونکہ مین نے تاریخ اعظمی کی عبارت کا ترجمہ نقل کیا تھا جسمین بالصراحت درج تھا کہ کہ یوز آسف اس نبی کا نام ہی جو سید نصیر الدین کی قبر کے متصل مدفون ہی مین وہ الفاظ دوبارہ ناظرین کے ملاحظے کے لئے درج کرتا ہون تا ان پر پادری صاحب کا جھوٹ اچھی طرح روشن ہوجائے - تاریخ اعظمی کی اصل عبارت فارسی مین ہی اسکا اردو ترجمہ حسب ذیل ہی - سید نصیر الدین کے مزار کے پاس جو دوسری قبر ہے عام خیال ہی کہ یہ ایک پیغمبر کی قبر ہے ...... ایک شہزادہ کسی اور ملک سے آیا تھا اور زہد اور تقوے اور ریاضت اور عبادت مین وہ کامل درجہ پر تھا وہی خدا کیطرف سے نبی ہوا اور کشمیر مین آکر کشمیریون کی دعوت مین مشغول ہوا - ان کا نام یوز آسف ہی اور اکثر صاحب کشف خصوصاً ملا عنایت اللہ جو راقم کا مرشد ہی فرما گئے ہین کہ اس قبر سے برکات نبوت ظاہر ہو رہے ہین +

پادری صاحب چار غلط بیانیونکے مرتکب ہوئے ہین - اول اہل سرینگر کی گواہی کو بگاڑ کر پیش کیا - دوم - اپنے پہلے بیان کی خود تردید کی پہلے کہا کہ بڑی قبر والے کا نام یوز آسف ہے اور چھوٹی قبر والے کا نام سید نصیر الدین - دوسرے بیان مین کہا کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہی - سوم - جب انکی یہ غلط بیانیان ظاہر کی گئین - اور ان سے جواب طلب کیا گیا تو جواب نہ بن پڑا مگر پھر بھی عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھنے سے باز نہ آئے - چہارم - تاریخ اعظمی کشمیر نے صاف قبر کا حوالہ دیا ہی اور مین تاریخ اعظمی کی عبارت بھی پیش کی مگر پھر بھی پادری صاحب نے اخبار ایپی فینی کے پڑھنے والونکو یہ کہکر دھوکہ دینا چاہا کہ تاریخ اعظمی مین یوز آسف کا نام تو ہی مگر اس قبر کا ذکر نہین - کیا پادری صاحب ان چار الزامون سے اپنے تئین بری ثابت کر سکتے ہین - غرض صرف اہل کشمیر کی زبانی شہادت سے ہی معلوم نہین ہوتا کہ اس قبر والیکا نام یوز آسف ہی بلکہ کشمیر کی تواریخ مین بھی اس قبر والیکا یہی نام درج ہی اور تاریخ اعظمی جسکا مین نے حوالہ دیا ہی قریباً دو سو برس کی کتاب ہی - اسی پر بس نہین ایسی کتابونمین بھی اس قبر کا صریح ذکر پایا جاتا ہی جنکو لکھے ہوئے ہزار برس کے قریب گذر گیا ہی - مین نے اپنی پچھلی چیٹھی مین کتاب اکمال الدین کی اصل عربی عبارت درج کی تھی جسمین لکھا ہی کہ حضرت یوز آسف کشمیر مین آئے اور اسجگہ وفات پائی اور اپنے شاگرد کو وصیت کی کہ میرے لئے ایک مقبرہ تیار کرنا - معلوم ہوتا ہی کہ انہون نے مقبرہ کے لئے بالخصوص اسلئے وصیت کی تا انکا مقبرہ ایک زمانہ تک قایم رہے اور آنے والی نسلون کیلئے ایک عظیم الشان راز کے کھلنے کا ذریعہ ہو - کیونکہ معمولی قبرین تو جلد زمین کے ساتھ ملجاتی ہین اور مقبرونکی عموماً حفاظت کیجاتی ہے

اور وہ ایک زمانہ تک قائم رہتے ہین چنانچہ آخر حضرت مسیح کے کشمیر مین آنیکا پتہ اول اول اسی مقبرہ کے ذریعہ سے ملا- تعجب کی بات ہی کہ سینٹ جوز آفٹ کے قصہ مین بھی حضرت یوز آسف کے کشمیر مین آنے اور اسی جگہ وفات پانیکا صریح ذکر ہی- چنانچہ مسٹر جوزف جیکبس اپنی کتاب "جوز آفٹ اور برلام" کے صفحہ ۱۰۵ پر پرانے نسخون کے حوالے سے بیان کرتا ہی کہ یوز آسف آخر کشمیر پہنچتا ہی جہانکہ وہ اپنا سر مغرب کیطرف کرتا ہے اور اپنے پاؤن مشرق کیطرف کرتا ہی اور اپنے شاگرد کو برکت دینے کے بعد مر جاتا ہی- غرض نہ صرف موجودہ زمانہ کے لوگ بالاتفاق شہادت دیتے ہین کہ یہ شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر ہی بلکہ کشمیر کی تاریخین بھی یہی شہادت دیتی ہین اور یوز آسف کے قدیم قصے بھی یوز آسف کے کشمیر مین آنے اور یہان انکا مقبرہ بنائے جانیکا ذکر کرتے ہین- اس سے بڑھکر اب پادری وائیٹ برکٹ صاحب اس امر کا کیا ثبوت مانگتے ہین کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ درحقیقت یہ نبی یوز آسف کی قبر ہے تو یہ خیال باطل ہوگیا کہ یوز آسف اور گوتم بدھ ایک ہی ہین اگر پادری صاحب ثابت کرنا چاہتے ہین کہ یوز آسف اور ساکی منی ایک ہی شخص کے دو نام ہین تو انکو چاہیئے کہ پہلے یہ ثابت کرین کہ یہ قبر نبی یوز آسف کی قبر نہین ہے- علاوہ ازین جن امور کی بنا پر یوز آسف اور بدھ کو ایک ہی شخص خیال کیا جاتا ہی ان کی تردید ان نئے امور سے ہوتی ہی جو اب یوز آسف کی نسبت معلوم ہوئے ہین یعنی یہ کہ وہ ایک نبی تھا جو مغرب کیطرف سے آیا اور اسکو آئے قریبًا ۱۹۰۰ برس ہوئے ہین پس جن امور کی بنا پر یوز آسف اور بدھ کو ایک ہی شخص مانا گیا تھا جب ان امور کی دوسرے پہلو سے تردید ہوگئی تو انکا اعتبار جاتا رہا اور غیر معتبر واقعات کی بنا پر کوئی نتیجہ نکالنا عقلمندی سے بعید ہی

جس طریق سے یہ ثابت کیا گیا ہی کہ یوز آسف لفظ ..... بودی ستوا سے بگڑ کر بنا ہی اسکی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہون- اس امر سے بعض لوگون نے بہت تعجب ظاہر کیا ہی کہ قصہ تو ہندکا ہی اور اس مین نام اسرائیلی ہین- اسلئے بعض نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہی کہ یہ نام اصل مین ہندی نامون سے بگڑ کر بنے ہوئے ہین- اس امر کے لئے انکو عربی اور فارسی حروف کی شکلون نے بہت مدد دی ہے- عربی ابجد کے اکثر حروف ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہین حرف نقطونکے ذریعہ سے ایسے حروف مین تمیز کیجاتی ہی- مین مثال کیطور پر لفظ یوز آسف کا ہی پہلا حرف لیتا ہون اگر اسکے نقطونکو نظرانداز کیا جاوے تو ہم اس حرف کو عربی مین- با، نا، تا، لام نون- یا- چھ مختلف طریق سے پڑھ سکتے ہین اور فارسی مین آٹھ طریق پر- یعنی علاوہ مندرجہ بالا حروف کے پے یا ٹے بھی پڑھ سکتے ہین یہی حال قریبًا کل حروف کا ہی انمین بھی صرف نقطونکے ذریعہ سے تمیز کیجاتی ہی ان حروف کی مشابہت نے ان لوگونکو بہت مدد دی ہے جنہون نے قصہ یوز آسف کے عبرانی نامونکو ہندی بناکر دکھانا چاہا ہے اسی طریق سے انہون نے یوز آسف کو

بوڈی ستوا بناکر دکھایا ہے۔ حروف علت کو چھوڑکر ان دو لفظوں مین صرف ایک ہی حرف مشترک ہو یعنے س - اور یہ دونوں لفظ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہین مگر ایک نرالے رنگ سے ان دونوں لفظوں کو ایک ثابت کیا ہو - اوّل تو یاء کے ایک نقطہ کو اڑادیا پھر ذال کا نقطہ اڑاکر اسکو دال بنالیا - اور آخری فاء کی جگہ واؤ رکھدیا پھر پادری وائیٹ برکٹ صاحب نے ایک اور کمال کیا ہو انہوں نے آخری حرف سے پہلے ایک تاء اپنی جیب خاص سے نکال کر رکھدی ہو اور ایسے ہی کچھ اور تغیر کر کے یوذ آسف کو بوڈی ستوا بنالیا ہے مگر سوال یہ ہو کہ جب حروف کی تمیز کا مدار ہی نقطوں پر ہے تو کیا ہم اپنی مرضی سے نقطوں کو اڑا سکتے ہین - اگر پادری صاحب سمجھتے ہین کہ کاتبوں نے غلطی سے نقطے بڑہا دئے ہین تو انکو کوئی صحیح نسخہ بھی پیش کرنا چاہئے جس مین صحیح نام لکھا ہوا موجود ہو - اگر کاتبوں کی طرف سے کوئی غلطی ہوتی تو وہ نقطہ نہ دینے مین ہونی چاہئے تھی نہ کہ زائد نقطے ڈالنے مین کیونکہ ایسا اتفاق کم ہوتا ہو - کہ کاتب اپنی طرف سے لفظ یا حرف یا نقطے بڑہادیوے - اگر وہ غلطی کرتا ہو تو وہ عموماً یہ ہوتی ہو کہ وہ کوئی لفظ یا حرف چھوڑ دیتا ہو - پھر اگر کاتب نے غلطی کی تھی تو ایک حرف مین کرتا یہ کس طرح ہوگیا کہ یوذ آسف مین تین حرف نقطہ دار ہین اور تینوں پر ہی نقطہ ڈالنے مین اس نے غلطی کی - پھر اگر ایک دفعہ غلطی کر چکا تھا تو ساری کتاب مین وہ کس طرح غلطی کرتا گیا اور اپنی غلطی پر متنبہ نہ ہوا - ہان ایک صورت ہو جس سے یہ ماننے مین آسکتا ہو کہ صحیح نام بوڈی ستوا ہی ہو اور غلطی سے یوذ آسف لکھا گیا ہو - اور وہ یہ ہے کہ یہ یوذ آسف کے قصے جو عربی وغیرہ زبانوں مین موجود ہین یہ سب تراجم ہین پادری صاحب کے نزدیک اصل قصہ کسی ہند کی زبان سنسکرت یا پالی وغیرہ مین تھا - اگر وہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ صحیح لفظ بوڈی ستوا ہے مترجم نے غلطی سے بوڈی ستوا کی جگہ یوذ آسف لکھ دیا تو وہ یہ دکھائین کہ سنسکرت یا پالی مین بوڈی ستوا کا لفظ اس طرز سے لکھا جاتا ہے کہ اسکو آدمی بوڈی ستوا بھی پڑھ سکتا ہے اور یوذ آسف بھی پڑھ سکتا ہو تب ہم قبول کرینگے کہ مترجم نے لفظ بوڈی ستوا کے پڑھنے مین غلطی کی ہوگی اور اسکی جگہ یوذ آسف لکھدیا ہوگا - جب مین نے کہا کہ یوذ آسف اصل مین یسوع آسف ہو تو پادری صاحب اعتراض کرتے ہین کہ یوذ یسوع کا بگڑا ہوا نہین ہو سکتا کیونکہ لفظ یوذ مین ع نہین جو یسوع مین ہو اور آپ یوذ آسف کو بوڈی ستوا سے بگڑا ہوا قرار دیتے ہین اور یہ نہین دیکھتے کہ ان دونوں لفظوں مین حروف علت کو چھوڑکر سوائے ایک حرف کے کوئی اور حرف مشترک نہین - پہلے پادری صاحب ذرا خود عین بول کر دکھائین پھر ہندیوں کو ملامت کرین کہ وہ یسوع کا آخری عین کیوں کھا گئے یہ بھی تو آپ کے بھائی ہی ہین - اب بھی آپکے انجیلی مناد اگرچہ لکھنے مین تو دیکھا دیکھی یسوع لکھتے ہونگے مگر بولنے مین تو یسّو یسّو ہی پکارا کرتے ہین تو کیا ہم خیال کرلین کہ یہ شخص اس یسوع کی منادی نہین کرتے ہین جسکے نام مین ع ہے کسی اور شخص یسّو نامی کا وعظ کرتے ہین -

پادریصاحب کو معلوم ہوگا کہ انگریزی مین تو عین کے مقابل کوئی حرف ہی نہین اگر یسوع کو انگریزی حروف مین لکھنا ہو تو یسو ہی لکھینگے یسوع نہین لکھ سکتے۔ پادریصاحب بھی اپنی انگریزی چھٹی مین یسو ہی لکھتے ہین۔ پادریصاحب یسوع کے یوز بن جانے پر تعجب کرتے ہین ہند نے مشہور شاعر فیضی کا مصرع پڑھین۔ ع اے نام تو یوز و کرستو + اس نے تو یوز بھی نہ رہنے دیا۔ یوز و بنا دیا۔ پھر مین لفظ یوز آسف اور بودی ستوا کیطرف عود کرکے کہتا ہون کہ صحیح نام یوز آسف ہی ہے اہل کشمیر نے بھی ہمکو یوز آسف ہی نام بتایا۔ عربی ترجمون اور دوسرے نسخون مین بھی ہم نے یوز آسف ہی لکھا ہوا پایا۔ جدھر سے یہ نام نکلتا ہے یوز آسف کی ہی شکل مین نکلتا ہے پھر ہم کس طرح پادریصاحب کے کہنے سے مان لین کہ یہ لفظ اصل مین بودی ستوا ہے۔ بلکہ عام ناخواندہ لوگ تو یوس آسف ہی بولتے ہین جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ یہ نام اصل مین یسوع آسف ہی ہے۔

اب مین پادری صاحب کے دوسرے سوال کو لیتا ہون وہ کہتے ہین کہ اگر یوز آسف انجیل کا وعظ کرتے تھے اور انجیلی مثالین سناتے تھے تو کس طرح ثابت ہوگیا کہ وہ خود حضرت مسیح ہی تھے ممکن ہے کہ آپکا کوئی شاگرد ہو۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب کے واقعہ کے بعد بھی اس زمین مین زندہ پھرتے رہے اسمین تو شک نہین کہ انکو ایک قبر مین رکھا گیا۔ جو ایک چھوٹے سے کمرے کے مشابہ تھی اور انکے ایک شاگرد یوسف کے باغ مین واقع تھی اور اسقدر وسیع تھی کہ چند آدمی اسمین سما سکتے تھے۔ مگر تیسرے دن دیکھا گیا کہ پتھر جو اس قبر کے منہ پر تھا وہ ہٹا ہوا ہے اور حضرت مسیح قبر مین نہین ہین۔ پھر مسیحؑ اس باغ مین دیکھے گئے کہ انہون نے ایک باغبان کا بھیس بدلا ہوا ہے اور انکے کفن کے کپڑے قبر ہی مین پڑے پائے گئے۔ اسمین شک نہین کہ انکے شاگرد یوسف کے مالیون نے آپکو کپڑے بھیس بدلنے کیلئے دئے ہونگے پھر آپنے اسی بھیس مین اپنے وطن کیطرف سفر کیا اور راستے مین کچھ فاصلہ تک اپنے دو شاگردون کی ہمراہی مین چلتے گئے مگر اپنا چہرہ لپیٹ کر اور شام کے قریب انکو پتہ دیا کہ مین مسیح ہی ہون جو قبر سے زندہ نکلکر آیا ہون اپنے دوسرے شاگردون سے بھی ملے مگر خلوت مین اور انکو یقین دلایا کہ مین زندہ ہون۔ انجیل مین لکھا ہے کہ شاگرد انکو دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھا کہ ہم بھوت کو دیکھ رہے ہین اور حضرت مسیح نے انکو کہا کہ کیون تم گھبراتے ہو اور کیون تمہارے دلون مین شک پیدا ہوتے ہین میرے ہاتھون اور میرے پاؤن کو دیکھو کہ مین خود ہی ہون مجھے ہاتھ لگا کر دیکھو روح پر گوشت اور ہڈیان نہین ہوتین اور یہ کہکر انہون نے اپنے ہاتھ اور پاؤن دکھلائے اور جب پھر بھی شاگردون نے تعجب کیا اور حیران ہوئے تو انہون نے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے اور شاگردون نے انکو ایک بھونی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا دیا۔ انہون نے لیا اور انکے سامنے کھایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اسی عنصری جسم کے ساتھ قبر سے زندہ نکلے + اب ہمین ان حالات پر نظر کرنی چاہیئے جو انپر قبر مین رکھا جانیسے پہلے گذرے اور دیکھنا چاہیئے کہ پہلے واقعات سے کیا ظاہر ہوتا ہے آیا یہ کہ وہ یقینی طور پر

مردہ تھے جب وہ قبر مین رکھے گئے یا ان کی موت ظنی تھی مگر جب واقعات پر ہم نظر ڈالتے ہین تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ جس چیز کو موت سمجھا گیا وہ ایک ظنی موت تھی یقینی موت نہ تھی۔ مثلاً اول تو وہ صلیب پر صرف تین گھنٹہ لٹکے رہے جس سے موت واقع نہین ہو سکتی تھی اور جو دو شخص انکے ساتھ لٹکائے گئے تھے وہ بالکل زندہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ صلیب سے انکے ساتھ اترے۔ پھر ان چورونکی تو ہڈیاں توڑی گئین اور حضرۃ مسیح کی ہڈیاں بھی کسی نے نہ توڑین اور جب پلاطوس نے سنا کہ مسیح مر گیا ہی تو اس نے سخت تعجب کیا کہ وہ ایسی جلدی کس طرح مر گئے اور تاریخ سے ثابت ہی کہ کئی کئی دن تک بھی آدمی صلیب پر نہین مرتے تھے ان واقعات سے ایک با انصاف انسان ضرور یہ نتیجہ نکالتا ہی کہ اسکی موت یقینی نہین تھی بلکہ ایک شکی امر تھا۔ پھر برچھی چبھونے سے خون بھی نکل آیا۔ ایکطرف تو ہم یہ واقعات دیکھتے ہین اور دوسریطرف ہم دیکھتے ہین کہ یہی شخص پھر اپنی قبر سے نکل بھی گیا اور اپنی زندگی کا لوگونکو یقین دلایا۔ اب ہم ان واقعات مجموعے سے کیا نتیجہ نکال سکتے ہین کہ وہ زندہ تھا جب وہ قبر مین رکھا گیا اور زندہ ہی نکل آیا۔ مین پادریصاحب سے پوچھتا ہون کہ یہی واقعات کسی اور شخص کے پیش آوین تو وہ کیا نتیجہ نکالین گے ایسا بارہا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک شخص کو مردہ یقین کر لیتے ہین اور جب پھر اسمین زندگی کے آثار ظاہر ہوتے ہین تو وہ اپنے پہلے خیال کو غلط قرار دیتے ہین اور سمجھ لیتے ہین کہ جس چیز کو انہون نے موت سمجھا تھا وہ حقیقی نہین تھی۔ مگر حضرت مسیح کا معاملہ تو بڑا صاف ہے ایکطرف انکی موت کا قطعی ثبوت نہین بلکہ ان کی زندگی کے دلایل نہایت قوی ہین اور لوگونکا اظہار تعجب موجود ہے دوسریطرف انکا زندہ زمین پر پھرنا ثابت ہے پھر ہم کیونکر سمجھ لین کہ مر تو گئے تھے مگر پھر جی اٹھے۔ کیا پادری صاحب انکی قبر مین موجود تھے اور انکو دیکھ رہے تھے جب انکے جسم مین دوبارہ روح داخل ہوئی تھی لوقا۔ باب ۲۴۔ آیت ۲۲ و ۲۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حضرت مسیح قبر مین ہی تھے اور عیسائیونکی کج فہمی کے بموجب مردہ پڑے تھے کہ بعض عورتونکو فرشتہ نے خواب مین آکر کہا کہ وہ زندہ ہین حضرۃ مسیح عیسائیونکی خیال کے بموجب تیسرے دن صبح تڑکے جی اُٹھے اور رات کو فرشتہ نے آکر کہا کہ وہ زندہ ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر مین زندہ ہی تھے کیونکہ فرشتون نے اسوقت کہا کہ وہ زندہ ہین جبکہ وہ ابھی قبر مین پڑے تھے اور ابھی قبر سے خروج نہین کیا تھا۔ علاوہ ازین جب کسی شخص کی نسبت کہا جاوے کہ وہ زندہ ہی اسکے یہی معنے ہوتے ہین کہ اس نے ابھی تک موت کا پیالہ نہین پیا۔ اسی طرح فرشتہ کے الفاظ کے بھی یہی معنے کرنے چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح نے ابھی تک موت کا مزہ نہین چکھا تھا چند سال ہوئے کہ خود پادری صاحب نے اخبار اپی فینی مین ایک شخص رفیع الدین احمد کے بیان کی تردید مین لکھا کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب امرتسری زندہ ہی اسوقت پادریصاحب کا کیا مطلب تھا کیا یہ کہ وہ مر گیا تھا اور پھر زندہ ہو گیا یا یہ کہ ابھی تک نہین مرا۔ ایسا ہی فرشتہ نے عورتونکے خیال کی تردید مین کہ حضرت مسیح مر گئے ہین یہ کہا کہ وہ زندہ ہی۔ پادری صاحب آپ ہی

فرماوین کہ فرشتے کے الفاظ سے کیا معنی کرنے چاہیئے۔ پھر لکھا ہی کہ جب عورتین قبر پر گیئین تو انکو کہا گیا کہ تم کسکو ڈھونڈتی ہو تو انہون نے کہا کہ مسیح کو تو انکو جواب ملا کہ تم زندہ کو مردون مین کیون ڈھونڈتی ہو۔ اسکے بھی یہی معنے ہین کہ مسیح مرے نہین تھے۔ بلکہ زندہ تھے۔

عیسائی یہ کہکر کہ حضرت مسیح مردہ تھے جب قبر مین رکھے گئے صرف ایک غیر معقول اور بے بنیاد بات ہی نہین کرتے بلکہ ایسا کہکر حضرت مسیح کے ایک معجزہ کا بھی انکار کرتے ہین۔ حضرت مسیح نے فرمایا کہ حرامکار لوگ مجھ سے نشان مانگتے ہین ان کو کوئی نشان نہین دکھلایا جاویگا سوا حضرت یونس نبی کے نشان کے۔ مگر حضرت یونس تو زندہ تھے۔ جب مچھلی کے پیٹ مین داخل ہوئے اور زندہ ہی اسکے اندر رہے۔ اور زندہ ہی مچھلی کے منہ سے نکلے۔ اب مشابہت چاہتی ہے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی زندہ ہی قبر مین رکھے گئے ہون۔ قبر کے اندر بھی زندہ ہی رہے ہون اور زندہ ہی باہر نکلے ہون۔ جب پلاطوس کے آگے حضرت مسیح کا مقدمہ پیش تھا تو اس کی بیوی کو ایک فرشتہ نے آکر کہا ایسا نہ ہو کہ تیرا خاوند حضرت مسیح کو قتل کرے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ارادہ حضرت مسیح کو بچا لینے کا تھا ورنہ فرشتہ کے بھیجنے کے کیا معنے۔ اور خود بائیبل سے ثابت ہے کہ جس غرض کے لئے خدا تعالے فرشتہ بھیجتا ہے وہ غرض پوری ہی ہو کر رہتی ہے اور بے شک حضرت مسیح کا صلیب پر چڑھ کر اور دشمنون کے پنجہ مین آکر پھر بچ نکلنا انکا ایک نشان تھا اور خدا تعالی کی باریک تدبیرون کا ایک نمونہ۔ حضرت مسیح صلیب سے اسی طرح بچے جیسے حضرت ابراہیم آگ سے محفوظ رہے اور جیسا بڑے بڑے انبیاء کو ایک ہجرت کرنی پڑی ایسا ہی حضرۃ مسیح کو بھی شام سے ہجرت کرنی پڑی اور بھی کئی امور ہین جو اس امر کی تائید کرتے ہین کہ حضرۃ مسیح صلیب سے بچ نکلے مثلاً پلاطوس کی خواہش کہ حضرت مسیح قتل نہ کئے جاوین اور نہایت قرین قیاس ہے کہ اس نے اپنے افسرون کو پوشیدہ ہدایتین دی ہون۔ چنانچہ جب اتارے گئے تو سپاہیون نے دوسرے چورون کی ہڈیان تو توڑ دین مگر عمداً حضرت مسیح کی ہڈیان نہ توڑین۔ آج کل تو عیسائی یہودیون کی طرح افسوس کرتے ہونگے کہ کاش کہ حضرت مسیح کی اسوقت ہڈیان توڑ دیجاتین تا یہ جھگڑا پیدا نہ ہوتا۔ اندر اندر سپاہیون اور پلاطوس کو کوستے کہ کیون انہون نے حضرۃ مسیح کے بچانے کی کوشش کی۔ اور ہمکو مصیبت مین ڈالا۔ اسی وقت فیصلہ کیون نہ کر دیا۔ پھر پلاطوس نے حضرت مسیح کا جسم انکے ایک دولتمند شاگرد کے حوالہ کر دیا اور یہودیون کے سپرد نہ کیا۔ پھر مسیح کا مالی کے کپڑے پہننا بھی گواہی دیتا ہے کہ انکے بچانے کے لئے ایک پوشیدہ سازش تھی۔ کیونکہ یہ کپڑے انکو ضرور مالیون سے ملے ہونگے۔ اگر حضرت مسیح کا جسم اسی خاک کا تھا۔ تو اس مین بھی شک نہین کہ یہ کپڑے بھی کھدر کے تھے اگر حضرت مسیح مر کر جی اٹھے تھے۔ تو چاہیئے تھا کہ بڑی

شان و شوکت کے ساتھ اٹھتے اور زرق برق آسمانی لباس مین دشمن و دوست کے سامنے آسمان کیطرف صعود فرماتے - یہ کیا وجہ کہ مایوس کا بھیس بدلا - اپنے چہرے کو لپیٹ کر پھرتے رہے اور آسمان پر بھی چڑھے تو خفیہ ہی چڑھ گئے انجیل نویسون کے سوا کوئی گواہی نہین دیتا کہ مین نے ایک شخص آسمان پر چڑھتے ہوئے دیکھا جس پہاڑ سے آسمان پر چڑھے تھے اگر وہان کا کوئی گڈریا ہی گواہی دیدیتا کہ مین نے ایک شخص کو اوپر چڑھتے ہوئے دیکھا تو بھی ہم قبول کر لیتے تعجب ہے کہ ایک پتنگ کو تو ہزارون آدمی دیکھ لیتے ہین - مگر ایک انسان کو کسی نے نہ دیکھا مین پادری صاحب سے پوچھتا ہون کہ اگر مسیح کا کوئی آسمان پر جانا نہ مانے تو اسکا کیا قصور پھر تم کیون کہتے ہو کہ جو شخص حضرت مسیح کے آسمانی پرواز کو نہ مانے گا وہ دوزخ کا ایندھن ہوگا +

غرض عیسائیونکا اس امر کو قبول کر لینا کہ حضرت مسیح اسی خاکی جسم کے ساتھ قبر سے نکلے اور اپنے شاگردونکو ملے - اور ۴۰ دن تک ملک شام مین پھرتے رہے اور کباب شراب کھاتے پیتے رہے انکے اعتقاد کے لئے بڑا مضر ہے کیونکہ اب کوئی نہین مان سکتا کہ وہ اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے - گوشت اور ہڈیان آسمان کیطرف چڑھ نہین سکتین خواہ وہ خدا کی ہی ہڈیان اور گوشت کیون نہ ہون - اب عیسائیونکو چاہئے کہ انکے لئے کوئی اسی زمین پر جگہ تلاش کرین اگر ہمین نہ بھی پتہ ملتا کہ اسکے بعد حضرت مسیح کدھر گئے - اور کہان انہون نے باقی دن کاٹے تو بھی ہم یہ تو قبول نہین کر سکتے تھے کہ وہ آسمان کیطرف اُڑ گئے کیونکہ آسمان پر گوشت اور پوست کیلئے کوئی جگہ نہین - باپ کے تخت پر بھی ہڈیون اور چمڑے کے لئے کوئی جگہ نہین نہ اسکے دائین ہاتھ کوئی جگہ ہے نہ بائین ہاتھ - ضرور وہ خاکی جسم اسی زمین مین رہا ہوگا اور کسی نے اسی مٹی مین گاڑا ہوگا - کسی کا مفقود الخبر ہو جانا اس امر کی دلیل نہین کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا - مگر عیسائیون کی بدقسمتی سے اب یہ بھی پتہ لگ گیا ہے کہ وہ کس طرف گئے + حضرت مسیح اپنے واقعہ کو حضرت یونس کے واقعہ سے مشابہت دی ہے اور حضرت یونس کو جب مچھلی نے اُگل کر نکالدیا تو خدا نے انکو حکم دیا کہ اُٹھ اور اس بڑے شہر نینوہ کیطرف جا اور میرے حکم کے مطابق انکو تبلیغ کر - اسلئے مشابہت چاہتی ہے کہ حضرت مسیح بھی حضرت یونس کیطرح قبر سے نکلکر کسی قوم کیطرف بھیجے گئے ہون - وہ کل قوم بنی اسرائیل کیلئے نبی ہو کر آئے تھے - نہ کہ کسی خاص فرقہ بنی اسرائیل کیلئے مگر شام مین صرف دو فرقے موجود تھے - اور باقی دس قومین جلاوطن ہو کر مشرق مین آباد ہو گئی تھین اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ افغان اور کشمیری اسرائیلی ہین - اور حضرت مسیح کا فرض تھا کہ انکو بھی وعظ کرتے - کشمیر کے لوگ بالاتفاق یہ گواہی دیتے ہین کہ جو شخص سرینگر محلہ خانیار کے مزار مین مدفون ہے وہ ایک شہزادہ نبی تھا جو مغرب کیطرف سے آیا اور یہین وفات پائی اور یہ بھی شہادت ملی ہے کہ اسکو آئے قریباً ۱۹۰۰ برس ہوئے کشمیر کی تاریخی کتابین بھی یہی گواہی دیتی ہین - یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اسکی کتاب کا نام بُشری تھا جو انجیل کا عبرانی نام ہے اور وہ انجیلی تعلیم اور انجیلی مثالین بھی سنایا کرتا تھا چنانچہ یوز آسف کے قصہ مین کسان کی مثال بھی درج ہے جو اناجیل کی ح

ح مثال کے بالکل مطابق ہے اور محققین نے مانا ہے کہ یہ مثال بعد مین نہین ملائی گئی - بلکہ اصل قصہ یوز آسف مین موجود تھی - ان امور سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ کشمیر کا شہزادہ نبی ہے جو پہلے شام مین ایک حصہ قوم کو وعظ کرتا رہا - اور پھر مم

مم افغانستان اور کشمیر مین دوسرے حصہ قوم کو تبلیغ کرنے کیلئے آیا - اب بھی اگر پادری صاحب قبول نہین کرتے تو وہ دکھلائین کہ مسیح کا کونسا شاگرد تھا جو نبی بھی کہلاتا تھا اور شہزادہ بھی اور جو مسیح کی تعلیم کو اپنی طرف منسوب

کرتا تھا اور اپنی تعلیم کا نام انجیل رکھتا تھا + والسلام علی من اتبع الھدیٰ + آپکا تابعدار شیر علی از قادیان +

"حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تاکیدی ارشاد کا اعادہ"

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن پر زور تاکیدی الفاظ مین ایک نور عرفان سے بھرے ہوئے لہجہ سے اپنی احمدی جماعت کے پر جوش ومخلص جوانمردونکو بغرض اشاعت رسالہ میگزین کیطرف متوجہ کرنا چاہا تھا وہ برکت مجسم و پرشوکت الفاظ تو خوابیدگان خواب غفلت کے بیدار کرنے کے لئے کافی تھے چہ جائیکہ اپنی جماعت کے باخبر۔ باہمت واخلاص مند احباب اپنے پیارے امام صادق و مامور برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجاآوری مین تساہل وتکاہل سے کام لیتے۔ خداتعالےٰ کے فرستادہ کی زبان دُرفشاں سے ان سراپا برکت خیز وتبشیر وتنذیر آمیز الفاظ کا نکلنا کہ "مین پورے زور کے ساتھ اپنے مخلص جوانمردونکو اسطرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اشاعت واعانت مین جہانتک اُنسے ممکن ہو ہمت دکھلاوین" کیا کچھ کم توجہ طلب وکم وزن دار تھے اور سعادتکیش احباب کے دلونکو اپنی تعمیل کیطرف کھینچنے کے لئے کچھ کم اثر مقناطیسی رکھتے تھے حضرت اقدس نے اس تاکیدی ارشاد مین کھول کھولکر زور سے توجہ دلاکر فرمایا ہے کہ "اے جماعت کے سچے مخلصو! تم اس رسالہ کی اعانت کے لئے ہمت کرو مین بار بار کہتا ہون کہ اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرو یہی وقت خدمت گذاری کا ہے" پھر ساتھ ہی بشارت دی ہے کہ "جو کوئی میری موجودگی مین میری اس غرض مین مدد دیگا وہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا اسکے مال مین برکت ہوگی اور عمر مین زیادہ ہوگی" انسان اس دارالابتلا مین اپنے حسن خدمات وحسن کردار کا اس سے بڑھکر اور کیا صلہ حاصل کرسکتا ہے؟ اگرچہ اس تاکید اکید کے بعد کسی دیگر بیرونی تحریک یا تاکید یا یاددہانی کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ ہونی چاہیئے مگر پھر بھی ہم بدین خیال کہ کوئی بھائی اس پرنور خیز حکم کی بجاآوری سے قاصر رہکر ثواب ومفاد دارین سے محروم نہ رہے حتی الوسع پہلے بھی اس ارشاد حضرت اقدس کو جملہ برادران کی کانون تک پہونچانیکی بڑی جدوجہد کی ہے اور اب بھی الاعمال بالنیات کے اصول پر وہی سعی کیجاتی ہے اب وقت ہے کہ اپنے پیارے امام صادق کے فرمان پر جان قربان کردینے والے دل اس خاص خدمت کی وقت پر قدر کرکے سابق بالخیرات بنین اور حسنات دارین کی وراثت سے حصہ لیکر اس چندروزہ قیام گاہ سے فائز المرام رخصت ہون۔ اور تخلیق انسانی کی اصل غرض کو پورا کرین۔ اللہ کرے جملہ سعید الفطرت رعیت مامور ومرسل برحق کے اس تاکیدی فرمان پر اپنا روح وروان نثار کرتے ہوئے اس یگانہ ذات مقتدر رب الافواج کے آستانہ کی حقیقی دہلیز بنکر دین ودنیا ومافیہا کی نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ اندوز ہون آمین ثم آمین

منیجر

"تعلیم الاسلام کالج قادیان"

یکم جون سنہ ۱۹۰۳ء سے ہر دو کلاس ایف اے کی جماعت بندی ہوکر تعلیم شروع ہوجاویگی ہر مذہب وہر فرقہ کے طلبا تعلیم پاسکتے ہین بشرط درستی ایکسال کیلئے فیس معاف رہیگی۔ انگریزی و ریاضی کے علاوہ دینیات وعربی وفارسی وفلاسفی وہسٹری کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے اس خاص رعایت سے مستفید ہونیکی خواہشمند طلبا خصوصاً جنہون نے حال ہی مین انٹرنس پاس کیا ہے جلدی کالج مین پہونچنے کی سعی کرین بصورت توقف ہرج تعلیم کا خطرہ ہے۔ والسلام۔ مولوی شیر علی پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان

کبریت احمر یا جیون بوٹی جو دوا کے استعمال سے ایک مہینہ میں تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ جوانی کی طاقت مدت العمر قائم رہتی ہے۔ استعمال کر کے ہفتہ پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آزماؤ اس سے بڑھ کر کبھی مولد خون صالح مشتہی۔ بدن کو مضبوط اور طاقتور خوشرنگ بنانے اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و نازکی پیدا کرنے والی دوا آج تک ایجاد نہیں ہوئی۔ اس کا اثر ان اعضا پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے۔ وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اس فی الفور حاصل ہوتی ہے کبریت احمر اس کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے یہ دوا اعضائے تولید کو پژمردہ قوی کو از سر نو بحال کرنے کے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے قیمت فی شیشی ۳ روپے

نسخہ درد گردہ درد گردہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان۔ یہ عجیب و غریب معجون درد گردہ میں خاص کر جب درد کنکری کی وجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کو توڑ کر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے۔ تمام کنکری اور ریت نکل کر درد گردہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی ۱۲ آنہ ۳ روپیہ

عجیب و غریب مرہم عیسیٰ المعروف بہ مرہم اکسیر۔ اگر آپ دنیا بھر میں سستا اچھا پر تاثیر تیر بہدف ہر قسم کے زخموں جراحتوں چوٹوں گنٹھیوں خنازیر سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑوں پھنسیوں ناسور دبل نیچ خارش پرانا اسہیر اور طرح طرح کی جلد کی بیماریوں، ہاتھوں کے سردی سے پھٹ جانے جانوروں کے کاٹ لینے جل جانے اور چوٹوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لئے ہزار ہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہیں تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اس کو خالص اجزا سے تیار کرنے کا ذمہ وار ہے۔ طبی جہان اس کی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے۔ یہ مشہور آفاق مرہم کارخانہ مرہم عیسیٰ کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ / ۱۲ آنہ فی ڈبہ کلاں ۱۲ آنہ

عمدۃ الفقویہ ... مفت	حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسیٰ لاہور سے طلب کرو	رسالہ آئینہ صحت نما مفت

Digitized by Khilafat Library

ضروری استدعاء

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دواخانہ کے نہ ہونے کے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں تو وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوسٹل پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں۔ یہ دکان میرے متعلق ہے انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے +

المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

اطلاع:- جناب ابو سعید صاحب عرب احمدی بحمد اللہ دار الامان میں پہنچ گئے ہیں۔ انکے جملہ احباب خصوصاً رنگون برہما کے دوست انکے نام خط کتابت قادیان ضلع گورداسپور کے پتہ پر کریں +

اعلان (ضروری) ... حکیم ... مولوی فضل الدین صاحب ... قادیان ...

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا +